اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

فون نمبر دارالعلوم : ۴	قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار	فون نمبر رہائش : ۲
جلد ۱۴	ماھنامہ **الحق** اکوڑہ خٹک	جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ
شمارہ ۵	مدیر : سمیع الحق	فروری ۱۹۸۴ء

اس شمارے میں

نقش آغاز (قانون شہادت)	سمیع الحق	۲
مجلس شوریٰ میں — (تقاریر)		۵
نفاذ قوانین میں شیعہ سنی تفریق / قاضی عدالتوں کا قیام	سمیع الحق	
جہاد افغانستان اور دارالعلوم حقانیہ (زعمائے جہاد سے ایک مجلس)	افغان مجاہدین / شیخ الحدیث مولانا عبدالحق	۱۲
مائدہ طور	قاضی عبدالحلیم اثر	۱۹
حقیقی ترقی کے اسباب اور اسلام	ڈاکٹر سید مسعود احمد	۲۶
علامہ انور شاہ کشمیری اور حفظ حدیث	مولانا حامد الانصاری	۳۳
مکتوب شاہ ولی اللہ بنام شیخ عمر پشاوری	شاہ ولی اللہ	۳۷
ملا احمد جیون اور تفسیرات احمدیہ	مولانا ابوالبیان	۴۱
علی گڑھ میں چند روز	پروفیسر محمد اسلم	۴۷
مرثیہ مولانا عبدالحلیم مردانی	مولانا محمد ابراہیم فانی	۵۵
شیخ الازہر مصر اور ایرانی وفد کی آمد	مولانا عبدالقیوم حقانی	۵۷
تبصرہ کتب	ادارہ	۶۰
تعزیتی پیغامات		

بدل اشتراک : پاکستان میں سالانہ ۳۰ روپے فی پرچہ ۳ روپے / بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ۔ ہوائی ڈاک ۵ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

کفر ٹوٹا خدا خدا کرکے ــــ مجلسِ شوریٰ (وفاقی کونسل) نے اپنے حالیہ طویل اجلاس میں مجوزّہ قاضی عدالتوں اور قانونِ شہادت کے مسوّدوں کو منظور کر لیا اور صدرِ پاکستان کو سفارش کی کہ وہ اسے قانونی شکل دے کر نافذ کر دیں۔ اس طویل ترین اجلاس میں یہ حقیقت ایک بار پھر واضح شکل میں سامنے آئی کہ انگریزی دور کے جمے جمائے نظام، قوانین اور ضوابط کار کو بدل کر اسکی جگہ اسلامی قوانین و ضوابط کو بروئے کار لانا کتنا مشکل اور دشوار ترین معاملہ ہے۔ جن لوگوں کے رگ و ریشہ میں عہدِ غلامی کا یہ نظام سرایت کر گیا ہے۔ اور جو ان کے فہم و فکر، تعلیم اور نظام میں رچ بس گیا ہے، اس سے گلو خلاصی کیلئے کتنی محنتِ شاقہ درکار ہے۔ یہی وہ دشوار ترین مرحلہ ہے جو کسی بھی انقلابی عمل کی راہ میں سامنے آتا ہے ؎

آئینِ نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی منزلوں میں

اسلامی نظام کا نہایت اہم ترین شعبہ نظام عدل و انصاف ہے جو کسی بھی قوم کی زندگی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ انگریز نے اپنے مخصوص مفادات حالات اور حکمتِ عملی کی بناء پہ عدل و قضاء کی ساری عمارت کو ایسی بنیادوں پہ استوار کیا جس میں عدل و انصاف سچائی اور دیانت نام کی چیز محض برائے نام تھی اور یہی نظام ہے جو آج تک حصولِ انصاف اور ظلم و ستم کے قلع قمع کرنے میں سدّراہ بنا ہوا ہے۔ یہ نظامِ عدالت جن افراد وکلاء اور ججوں کے ہاتھوں میں ہے اور جس سے ان کا سارا کاروبارِ حیات وابستہ ہے وہ اسے کسی عہد استبداد و غلامی کی ملعون یادگار سمجھ کر اکھاڑ پھینکنے کا ہرگز روادار نہیں بلکہ اس کے ہر ہر ضابطہ ایک ایک دفعہ بلکہ کسی معمولی سے نقطہ کو بھی صحیفۂ الٰہی کی طرح مقدس سمجھتے ہیں اور اس میں حذف و ترمیم کے روادار نہیں انہیں ڈر ہے کہ اس طرح ان کے ظالمانہ مادی اور معاشی مفادات کی عمارت پیوندِ خاک ہو جائے گی، یہی وہ مشکل ہے جو اسوقت اسلامی نظام و قوانین کی راہ میں پیش رفت کیلئے سدِّ سکندری بنا ہوا ہے۔ اور جہاں تک میری نہایت محتاط رائے ہے (اور مجلسِ شوریٰ کے اس سال سوا سال کے عرصہ میں اس رائے نے عین الیقین کی شکل اختیار کر لی ہے۔) کہ عدل و انصاف عدالت و قانون سے وابستہ تمام افراد کا الّا ماشاء اللہ (خواہ وہ جج حضرات ہوں یا وکلاء یا ان کی بار کونسلیں لاء کمیشن یا قانون سے وابستہ دیگر ایجنسیاں) کا اس پر اجماع ہے اور یہ عزمِ مصمم بھی کہ عدالت و قضاء

کے موجودہ نظام کو کسی قسم کے تغیر اور تبدیلی سے بچایا جائے اس لئے کہ ان کی ساری اہلیت وصلاحیت تعلیم اور تجربہ اس سے وابستہ ہے یہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے اور یہی ان کے تحفظات اور مادی مفادات کا کفیل ہے لاریب کہ ان میں سے بہت سے حضرات کو اسلام کا ایک ضابطۂ حیات ہونے کا یقین ہے اور دینی انقلاب سے گہری وابستگی بھی ہے مگر وہ یہ ماننے کو تیار نہیں کہ عدل وقضا کے معاملہ میں اسلام کا اپنا بھی کوئی واضح اور مکمل نظامِ عمل تھا یا اب بھی موجود ہے ۔ دینی علوم اور سرچشموں سے لاعلمی کی وجہ سے انہیں ایسا لگتا ہے کہ دیوانی ہوں یا فوجداری مقدمات حدود ہوں یا قصاص تعزیرات ہوں یا معاملات فصل خصومات ہو یا شہادت کے ضابطے اس معاملہ میں انگریز کے آنے سے قبل امتِ مسلمہ گویا خلاء میں رہی اس سلسلہ میں اسلام کے چودہ سو سالہ ادوار کا عظیم علمی، فقہی قانونی ذخیرہ ان کی نظروں سے بالکل اوجھل ہے ۔ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ انگریز کا مروجہ کوئی بھی ضابطہ اور قانونی شوشہ بھی اگر اِدھر اُدھر ہوا تو بہت بڑا بحران پیدا ہو جائے گا اور سارا کاروبار زندگی درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ یحسبون کل صیحۃ علیھم ھم العدو ۔ (الآیۃ) والی صورتحال سامنے آجاتی ہے۔ اسلام کے نفاذ کی راہ میں یہی وہ منافقانہ طرزِ عمل ہے جو عدلیہ، انتظامیہ اور زندگی کے مختلف شعبوں سے وابستہ عام مفاد پرست طبقات مسلسل اپنائے ہوئے ہیں۔ وہ اسلام کو دل وجان سے مانتے ہیں مگر اس صورت میں کہ ان کے مخصوص تحفظات اور مفادات پر ضرب نہ پڑتی ہو۔ جبکہ اسلام ایک جامع انقلابی عمل ہے ۔اور ہر قسم کے ناجائز مفادات اور تحفظات کا اس انقلاب کی زد میں آجانا ناگزیر ہے ۔ یہاں بیوروکریٹس اسلام چاہتے ہیں ۔ مگر ان کے ناجائز اختیارات اور غلط مفادات برقرار رہیں جج اور وکلاء اسلام چاہتے ہیں ۔مگر انگریزی نظام عدل متاثر نہ ہو۔ عورتیں اسلام کی طلب گار ہیں ، مگر مغرب کا نظریۂ مساوات مرد وزن بھی مجروح نہ ہو، جاگیر دار اور سرمایہ دار اسلام چاہتے ہیں مگر ان کے ظالمانہ معاشی ذرائع استحصال پر کوئی ضرب نہ آئے ۔عوام اسلام چاہتے ہیں ۔ مگر ان کے کاروبار حلال وحرام اور طرز زندگی پر کوئی قدغن نہ لگے ۔ لیڈر اسلام چاہتے ہیں مگر مغرب کے میکیاولی سیاست کی دیوی کے قدموں پر دین واخلاق کا سارا اثاثہ لٹا کر، سیاست زدہ علماء اسلام چاہتے ہیں مگر یورپ کے مادر پدر آزاد جمہوریت کے ذریعہ ۔ حکمران اسلام چاہتے ہیں مگر ان کی جذبۂ رواداری ، روشن خیالی اور وسیع النظری پر حرف نہ آئے اور وہ اسلام اور کفر کے بارہ میں متصادم اور متوازی طبقوں میں بھی صلح کل رہیں اور کوئی طبقہ بھی ناراض نہ ہو۔ الغرض وہی صورت حال ہے کہ ؎

معشوقِ ما بہ شیوۂ ہرکس برابر ست
با ما شراب خورد بہ زاہد نماز کرد

ایسے حالات اور ماحول میں مجلسِ شوریٰ نے قاضی کورٹس اور قانونِ شہادت کے مسودے منظور کئے

اس کٹھن اور پر صعوبت راہ میں دین کو مکمل شکل میں نافذ اور جاری وساری کرنے والے دینی درد سے سرشار علماء اور خدام کو کیسے کیسے صبر آزما حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اسکی واضح مثالیں ان مسودات کو آخری شکل دینے تک سامنے آتی رہیں۔

اگلی فرصت میں ہم مجوزہ قانون شہادت کے بارہ کچھ تفصیلی گذارشات پیش کریں گے۔ فی الوقت اتنی گذارش ضروری ہے کہ اہمیت شہادت، نصاب شہادت، حلف، اور کئی دیگر اہم امور کے بارہ میں الحمد للہ کہ ہمیں بہت، حد تک کامیابی ہوئی۔ لیکن اس قانون کی دفعہ ۱۸ کی شق ج جس میں ایک عورت کی شہادت کا بھی ذکر ہے میرے نزدیک ایک نہایت اہم فروگذاشت ہے جس کی اصلاح حکومت اور صدر پاکستان پر لازمی ہے اور خود مجلس شوریٰ کو اس پر نظر ثانی کرنی چاہیئے جبکہ مجلس شوریٰ کی ایک بڑی اکثریت نے افتتاحی لمحات کی شور اشوری اور ہنگامہ خیزی کی وجہ سے اور کچھ باہمی مفاہمت اور اتفاق کے جذبہ خیر سگالی کی رو میں بہہ کر اس پر صاد کیا اور غلط فہمی کی وجہ سے اسے دینی تقاضوں کے ہم آہنگ سمجھا جبکہ نیتوں میں کوئی خرابی نہ تھی تاہم غلطی غلطی ہے جیسے بھی ہو اس کا تدارک ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں ذاتی طور پر راقم الحروف نے مجلس شوریٰ کے علماء اور دیگر بعض اہم ارکان کو ایک ذاتی خط میں توجہ بھی دلائی ہے اور ان کے مشوروں سے اگلا قدم اٹھانے کا انتظار ہے۔ بہر حال ہم ایک صحیح سمت کی طرف بڑھ گئے ہیں۔ نئی منزل اور نئی راہوں میں اور صدیوں سے قائم کسی مستحکم نظام کی شکست و ریخت میں ٹھوکریں بھی کھانی پڑتی ہیں، مگر گر گر کر اٹھنا اور جادۂ منزل پر سفر جاری رکھنا پڑتا ہے۔ خدا کرے کہ ہم بہت جلد اس عبوری دور سے نکل کر مکمل اور جامع ترین اسلامی نظام حیات سے ہمکنار ہو سکیں۔

ماہ رواں جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ کی تیرہ تاریخ کو دارالعلوم حقانیہ ایک اور بڑے صدمہ سے دوچار ہوا ابھی حضرت علامہ مولانا عبدالحلیم مردانی قدس سرہٗ کا غم تازہ تھا کہ دارالعلوم کے ایک جید اور ممتاز استاد حضرت مولانا مصطفیٰ احسن نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ مولانا مرحوم ابھی کہولت کی سرحد کو پار نہیں کر پائے تھے کہ خالق حقیقی کا بلاوا آیا اور وہ علم و دین کی محفلوں کو افسردہ چھوڑ کر چلے گئے۔ پاکستان میں دینی علوم کی تکمیل کے بعد وہ جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ گئے اور وہاں سے فراغت علوم کی ڈگری پائی، فراغت کے بعد سعودی عرب کے ادارۂ افتاء دارشاد نے شوال ۱۴۰۰ھ میں آپ کی تقرری دارالعلوم حقانیہ میں کرائی اور اسی ادارہ کی طرف سے آپ بطور مبعوث استاد کے فرائض تدریس انجام دیتے رہے۔ پچھلے سال یکایک معدہ کی بیماری نے آپ کو گھیر لیا بہت علاج کیا گیا لیکن صحت نہ ہوئی اور ۱۳ر جمادی الاولیٰ کو رحلت فرما گئے حضرۃ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آبائی گاؤں حمید ضلع اٹک میں سپرد خاک کیا گیا۔ فرحمہ اللہ وارضاہ

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

سمیع الحق

وفاقی مجلس شوریٰ — مولانا سمیع الحق۔ مدیر ماہنامہ الحق

نفاذ قوانین میں شیعہ سنّی تفریق تباہ کن ہے

قاضی عدالتوں کو کتاب و سنّت کا پابند کرنا ہوگا

وفاقی مجلس شوریٰ کے حالیہ اجلاس میں نظام عشر اور قاضی عدالتوں کے مسودوں پر مولانا سمیع الحق نے محدود وقت میں (جو صرف دس منٹ ہوتا ہے یا اس سے بھی کم) مختصر خطاب میں دو ایک اہم امور پر توجہ دلائی جسے وفاقی کونسل کی رپورٹنگ سے من وعن پیش کیا جارہا ہے۔

۱۰ فروری ۱۹۸۳ء

جناب چیئرمین! مولانا سمیع الحق صاحب!

مولانا سمیع الحق: نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ جناب چیئرمین صاحب

عشر کے بارے میں ہمارے دوستوں نے نہایت فاضلانہ گفتگو کی ہے اور اس کے شرعی حیثیت سے جو نکات تھے وہ ہمارے علماء کرام نے بالتفصیل واضح کئے ہیں۔ اس وقت میں مختصراً تین نکات کے بارے میں کچھ عرض کروں گا۔ جن کی طرف بعض حضرات نے اشارہ بھی کیا ہے۔ پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ اراضی کے متعلق زمینوں کے متعلق اسلام کا جو نظام محاصل ہے وہ دو چیزوں سے عبارت ہے۔ عشر اور خراج۔ تو ہم اس سمت میں جب قدم اٹھا رہے ہیں اور یہ ایک نہایت قابل تحسین قدم ہے۔ انشاء اللہ اس راستے میں جو خامیاں اور رکاوٹیں ہیں وہ آہستہ آہستہ ختم ہو جائیں گی۔ لیکن ہم نے عشر کے ساتھ ساتھ خراج کے نظام کو بالکل یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔ خراج کا معنی یہ ہے کہ جو اراضی غیر مسلموں کی ہیں ان پر بھی عشر کی طرح ایک خاص طریقے سے ٹیکس لگایا جائے عشر تو عبادات میں شامل ہے غیر مسلموں سے حاصل ہونے والے محاصل کو ہم عشر نہیں کہہ سکتے لیکن اسلام کی نظر میں

ایک اسلامی مملکت کے تمام شہری حقوق کے لحاظ سے بھی برابر ہوتے ہیں اور زاویوں کے لحاظ سے بھی۔ زمین جب اسلامی مملکت کی کسی مسلمان کے پاس ہے یا کسی کافر کے پاس ہے تو اسلام یہ نہیں کہتا کہ غیر مسلم کی زمین اسی طرح چھوڑ دو۔ اور صرف مسلم پر ٹیکس لگا دو یا عشر لگا دو۔ تو جو اراضی غیر مسلم حضرات اور شہریوں کے پاس ہے اس پر بھی خراج لگایا جائے اگر ہمیں اسلامی اصطلاحات سے شرم آتی ہے اور ہم احساس کمتری میں ضرورت سے زیادہ مبتلا رہتے ہیں تو ہم خراج کی بجائے اس کا نام کوئی اور بھی رکھ سکتے ہیں لیکن خدا کی زمین ساری برابر ہے۔ یہ جن لوگوں کی ملکیت ہے ان میں کسی کو مستثنیٰ قرار دینا اور کسی کو پابند بنانا اس کی کہیں اسلامی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ اس کے علاوہ ایک دوسری بات بھی بڑے درد اور افسوس سے کہتا ہوں اسے کوئی غلط معنی نہ پہنایا جائے۔ جناب وزیر خزانہ صاحب نے کل بڑے مدلل جواب دئے لیکن اس مسئلے کو انہوں نے ہلکا سمجھا اور گول مول کے انداز میں اسے چھوڑ دیا۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہم ایک مملکت کے مسلمان شہری ہیں تو ہمیں مکمل فکری یکجہتی اور یگانگت کی ضرورت ہے۔ ہماری حمزہ کمیٹی کی رپورٹ میں بھی اس جانب مناسب انداز سے توجہ دلائی گئی ہے کہ عشر کے معاملے میں یا کسی بھی اسلامی قانون کے بارے میں (دو) طریقے اختیار کرنا اور فقہی مسائل کو راستے کی رکاوٹ سمجھ کر کچھ لوگوں کو مستثنیٰ قرار دے دینا، یہ چیز آگے چل کر ملک کے لئے بڑی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے میں خدا کی قسم کسی تعصب کی وجہ سے نہیں کہتا ہوں بلکہ شیعہ حضرات کی خیر خواہی میں کہتا ہوں جنہوں نے خود مجھ سے بات کی ہے، یہاں میرے بھائی نصرت علی شاہ صاحب اور یہاں میرے کئی اور بھائی ہیں جنہوں نے اس وقت بھی اپنے جذبے کا اظہار کیا تھا کہ چند سیاسی طالع آزماؤں کی وجہ سے، اور وہ ہر فرقہ میں ہوتے ہیں۔ ملک گاڑی کو ایسی پٹڑی پر ڈالنا جس کا انجام بالآخر انتشار و افتراق ہوگا۔ یہ بہت خطرناک چیز ہے۔ حدود آرڈیننس کے مسئلہ میں ایسے ہوا اور پھر زکوٰۃ کے مسئلے میں بھی ایسا ہوا۔ اگر کسی فرقہ کو ہمارے فقہی مسلک سے اختلاف ہے تو ہم بڑی فراخ دلی سے اس کا خیر مقدم کریں گے۔ لیکن ان کے ہاں بھی ایک نظام ہے۔ کچھ قوانین ہیں، کچھ احکام ہیں اور شریعت اسلامیہ نے کسی فرقے کو بالکل آزاد نہیں چھوڑا۔

مثلاً ہمارے شیعہ حضرات کے فقہ میں بھی چار چیزوں پر عشر ہے۔ گیہوں، کھجور، کشمش اور جو میں۔ ان کی فقہ میں بھی ان چار چیزوں پر عشر ہے۔ اور جن چیزوں پر وہ عشر کے قائل نہیں ان کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ ان کا خمس دینا چاہئے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ سو من میں سے ۲۰ من دئے جائیں گے۔ اور اس کے محاصل بھی متعین ہیں۔ اور جہاں جہاں اس کا خرچ کیا جائے گا یہ مصارف بھی متعین ہیں۔ لہذا موجودہ طریقہ تو بے حد خطرناک ہے اس کی سارے عالم اسلام میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ احوال شخصیہ کا معاملہ الگ ہے۔

پرسنل لاز میں ہم فقہی اختلافات کی گنجائش اور رعایت رکھیں گے۔ لیکن جہاں مسئلہ آئے گا

احوال عامہ کا، اور پبلک لاز کا تو اس معاملے میں تفریق کسی جگہ بھی اختیار نہیں کی گئی۔ اس کے ایک خطرناک پہلو کا میں نے بجٹ کے موقع پر بھی ذکر کیا تھا۔ ہم سنی حضرات یا شیعہ حضرات کے لئے اس طرح اپنے مسلک بدلنے کا راستہ نکالیں۔ مالی مفادات کی وجہ سے ایک شخص فارم میں لکھے کہ میں فلاں مسلک سے تعلق رکھتا ہوں۔ اور جہاں اسے نقصان ہے وہ لکھے گا کہ میں فلاں مسلک سے تعلق رکھتا ہوں۔ اور جناب صدر صاحب نے خود ایک میٹنگ میں وعدہ کیا تھا کہ غلط ڈیکلیریشن پر سخت سزا مقرر کی جائے گی۔ مگر زکوٰۃ کے مسئلے میں ایسا ہوا کہ ہزاروں لوگوں نے غلط ڈیکلیریشن دے دیئے اور سنی نے شیعہ لکھ دیا۔ تو کیا کسی ایک ڈیکلیریشن کو بھی شریعت کورٹ میں چیلنج کیا گیا ہے؟ نقصان اس کا سنیوں کو ہے جو بد قسمتی یا خوش قسمتی سے اکثریت میں ہیں۔ لیکن وہ گھاٹے میں جا رہے ہیں۔ سنی محض مالی مفادات کی خاطر، کیونکہ یہ لوگوں کی کمزوری ہے تو کئی لکھ دیتے ہیں کہ میں شیعہ ہوں۔ زکوٰۃ کے مسئلے میں بھی ایسا ہی ہوا۔ یہی فارم کل ہمارے لئے دلیل بنیں گے کہ شیعوں کی اتنی بڑی تعداد ہے۔ تو تم شیعہ کو سنی اور سنی کو شیعہ بننے کا راستہ کیوں کھولتے ہو؟ اس کو اسلامی اصطلاح میں الحاد اور زندقہ کہا جاتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ خدا کے لئے اگر حکومت نے اسلامی نظام نافذ کرنا ہے تو ان کے اصول کے مطابق، ان کے مسلک کے مطابق، ان کی رائے کے مطابق بھی کوئی طریق کار وضع کیا جائے۔ ان کو کھلا نہیں چھوڑ دینا چاہیئے۔ کمال تو یہ ہے کہ مصارف زکوٰۃ اور مصارف عشر کی تقسیم میں تو ہم نے کوئی تمیز متعین نہیں کی کہ اس میں شیعہ یا سنی کا امتیاز کیا جائے گا۔ لیکن لینے تو آپ ایک خاص طبقہ سے ہیں اور دینے میں فراخ دلی اختیار کرتے ہیں خواہ شیعہ ہو خواہ سنی ہو وہ لے سکتا ہے۔

ہمارے شیعہ دوست کہتے ہیں کہ حکومت عادلہ ہو؟ تب یہ چیزیں ہم پر لازم ہوں گی۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ حکومت عادلہ، اگر تمام امور کے عہدوں کے لئے، مناصب کے لئے، مراعات کے لئے حکومت حکومت عادلہ ہے۔ تو حکومت کی طرف سے جو ذمہ داریاں رعایا پر عائد ہوتی ہیں تو اس کے لئے وہ حکومت، کیوں حکومت عادلہ نہیں سمجھی جاتی تو میں کہتا ہوں کہ اس طرح بد قسمتی سے ایک چیز عوام کے دلوں میں پیدا ہو رہی ہے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ شیعہ اور سنی ہمیشہ بھائیوں کی طرح رہیں اور ملک میں یہ آواز نہ اٹھے کہ لوگ آخر یہ کہیں کہ آج اس معاملے میں شیعہ ہم سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔ آخر سنیوں کی طرف سے بھی یہ آواز اٹھے گی کہ بھائی جب یہ الگ ہو رہے ہیں تو ہمیں بھی الگ کر دو اور انہیں بھی الگ کر دو۔ خدا نہ کرے خدا نہ کرے ایسا ہوا تو یہ ملک کے لئے نہایت خطرناک ہو گا۔

کل جناب وزیر خزانہ نے کہا کہ یہ مسئلہ علماء کے افہام تفہیم کا ہے۔ کمال یہ ہے کہ کیا علماء کے افہام و تفہیم سے ایسے احکامات لاگو ہو سکتے ہیں جو حکومت خود لاگو نہیں کر سکتی۔ علماء کیسے بیٹھ کر افہام و تفہیم کریں۔ علماء تو آپ کو کہتے ہیں کہ بھائی عشر نافذ ہی نہ کرو۔ آپ کے جو علماء ہیں ان کی اکثریت آپ کے خلاف ہے۔ میں آپ کو یہ

حقیقت بتاؤں کہ علماء کہتے ہیں کہ عشر نافذ ہی مت کرو۔ زکوٰۃ نافذ کر مت کرو، لیکن اس مسئلے میں تو آپ علماء کو نہیں دیکھتے۔ اور اس مسئلے میں آپ علماء کو کہتے ہیں کہ آپس میں افہام و تفہیم کریں جو علماء کے بس کی بات نہیں۔ باہمی مفاہمت پیدا کرنا، یکجہتی کو قائم کرنا ان قوانین میں، یہ حکومت کا اولین فرض ہے اور ان شاء اللہ دونوں طبقوں میں معتدل، سنجیدہ اور مخلص حضرات موجود ہیں۔ وہ اس چیز کو بالکل گوارا نہیں کریں گے۔ تو ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کے لئے یہ راستہ آسان بنا دے گا ورنہ کہاں کہاں آپ یہ دوعملی اور تفریق کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔

تیسری گذارش میری یہ تھی کہ اخراجات کے سلسلے میں مسئلہ کو خواہ مخواہ الجھا دیا گیا ہے۔ شریعت نے خود کھیتی باڑی پر اٹھنے والے مصارف پر رعایت رکھی ہے۔ بارانی زمینوں پر زیادہ اخراجات نہیں اٹھتے۔ اس پر دسواں اور دوسری پر بیسواں۔ یعنی عشر کی اس کو رعایت دے دی گئی ہے۔ تو یہ ایک عجیب صورت حال ہے کہ اخراجات کو منہا کرنے کی پوری اسلامی تاریخ میں مثال نہیں ملتی کہ عشر نافذ کیا گیا ہو تو اس میں اخراجات کو منہا کیا گیا ہو۔ پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اس کی رعایت رکھی ہے۔ تو اس مسئلے کو اتنا نہ الجھایا جاتا اور عشر اور نصف العشر پر چھوڑ دیا جاتا۔

تو جناب والا! میری بنیادی بات وہ ہے جو درمیان میں میں نے کہہ دی کہ فقہی اختلافات کا یہ سلسلہ نہ ایران میں ہے نہ عراق میں۔ نہ مصر میں اور نہ شام میں ہے۔ خدا کے لئے اس سلسلے کو روکا جائے اور اس کی اب بھی تلافی کی جائے۔ شکریہ!

قاضی عدالتوں کے قیام کا مسودہ

۹ فروری ۸۳ء مجوزہ قاضی کورٹس کے مسودہ پر عام بحث میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے کہا

مولانا سمیع الحق۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

جناب چیئرمین:۔ جہاں تک قاضی کورٹس کے قیام کے سلسلہ میں حکومت کے اور جناب صدر پاکستان کے ارادہ یا اور عزائم کا تعلق ہے اس کی جتنی بھی تحسین کی جائے کم ہے۔ ایک اسلامی مملکت کا سب سے بڑا اور پہلا فریضہ اس ملک کے شہریوں کو عدل و انصاف آسانی سے مہیا کرنا ہوتا ہے۔ یہ مسلمانوں کی مدتوں سے ایک آرزو ہے اور پاکستان کے شہریوں کی کہ یہاں انصاف سستا ہو جائے۔ اس سلسلہ میں جو اصل مسودہ قانون ہے جو ہمارے سامنے ہے ایک تو اس کے بارے میں کچھ لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے کہ یہ شاید پہلے سے علماء اور اسلامی علوم پر عبور رکھنے والے حضرات کی نگاہ سے گذرا ہے۔ حالاں کہ میرا خیال یہ ہے کہ یہ مسودہ اسلامی نظریاتی کونسل کو نہیں بھیجا گیا تھا اور نہ ہی اس پر اسلامی نظریاتی کونسل جو کہ ملک کے مختلف مکاتب فکر رکھنے والے اور جید علماء پر مشتمل

ادارہ ہے اور وکلا پر بھی مشتمل ہے۔ اُن سے کوئی استصواب رائے اس بارہ میں نہیں کیا گیا۔ دوسرا مرحلہ جو اصل مسودہ قانون پر بنیادی توجہ کا تھا وہ تھا کہ ہم قاضی کورٹس تو قائم کرتے ہیں جو بلاشبہ ایک نہایت مستحسن اقدام ہے لیکن اس اصل مسودے میں یہ کہیں واضح نہیں کیا گیا کہ یہ عدالتیں کن قوانین کے تحت فیصلے کریں گی۔ یہی مروجہ قوانین، یہ فوجداری اور دیوانی کے ضابطے اور یہ پروسیجر اگر قائم رکھنا ہے تو اگر ہم قاضی کا نام جج رکھ دیں اور جج کا نام قاضی رکھ دیں۔ اس سے تو عدالت اسلامی عدل و انصاف مہیا نہ کر سکے گی اور نہ ہی عدل و انصاف ملک کو مل سکے گا۔ ہم اگر قاضی کو قاضی محمد احمد کہیں یا قاضی نکلسن کہیں یا قاضی ہر بند رائے کہیں۔ اس سے انصاف نہیں ملتا۔ یہاں اصل مسودہ قانون میں یہ وضاحت ہونی چاہیئے تھی کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اخوندزادہ بہرہ ور سعید ۔ پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب والا ۔ یہ قاضی کی توہین ہے۔ ان کو کہیں کہ اپنے الفاظ واپس لیں۔

مولانا سمیع الحق ۔ جناب والا یہ قاضی کی توہین نہیں ہے۔

اخوندزادہ بہرہ ور سعید۔ جناب والا یہ "قاضی محمد احمد، یا قاضی نکلسن یا قاضی ہر بند رائے" یہ قاضی کی توہین ہے ان کو کہیں کہ یہ اپنے الفاظ واپس لیں یہ قاضی کی توہین ہے۔

مولانا سمیع الحق ۔ کونسی توہین میں نے کی ہے۔

اخوندزادہ بہرہ ور سعید۔ قاضی نکلسن کیا ہوتا ہے؟

مولانا سمیع الحق ۔ آپ جسٹس نکلسن کہیں یا قاضی نکلسن کہیں بات ایک ہی ہے اگر اس کے پاس قانون وہی ہوں جو موجودہ عدالت دیوانی یا فوجداری کے ہوتے ہیں یعنی انگریزی قانون ہوں اور آپ اس کو علامہ نکلسن کہیں یا مولانا نکلسن کہیں یا قاضی نکلسن کہیں یا جسٹس نکلسن کہیں تو اس سے فرق نہیں پڑتا۔ یہاں بنیادی بات سب سے پہلے یہی تھی کہ اصل مسودہ قانون میں یہ واضح ہو جانا چاہیئے تھا کہ یہ تمام عدالتیں قرآن و سنّت کے مطابق فیصلہ کریں گی۔ یہاں متفرقات کے ضمن میں جو تعبیر کے عنوان سے کیا گیا ہے کہ اس سے آرڈی ننس کے احکام کی تعبیر کرتے ہوئے قاضی عدالتیں قرآن پاک اور سنّت میں مقرر کردہ اسلام کے احکام سے راہنمائی حاصل کریں گے۔ یہ قرآن اور سنّت کے ساتھ قطعاً ایک مذاق ہے۔ راہنمائی کے لفظ سے کبھی قوانین حاصل نہیں ہو سکتے۔

سیّد معین الدین ۔ پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب والا THIS IS A MISSTATEMENT OF SECTION اس میں سیکشن نمبر ۳۵ اور نمبر ۴۶ جس میں CLEARLY یہ کہا گیا ہے۔ کہ کوئی بات خلاف قرآن و سنّت نہیں ہو سکتی۔ دو سیکشن میں ایک نہیں دو سیکشن ہیں 53 × 64

جناب وائس چیئرمین - میں معزز رکن سے درخواست کروں گا کہ ذرا احتیاط کریں۔

مولانا سمیع الحق - ایک یا دو جو حوالے دے رہا ہوں اسی کے متعلق عرض کر رہا ہوں۔ اس میں ایسی بات نہیں ہے۔ ابتدا میں یعنی مسودے کے آغاز میں جس قسم کے الفاظ ہیں اس میں یہی درج ہے اور یہاں لکھی یہی ہے کہ راہنمائی حاصل کریں گی۔ اور آپ کو یہ بھی پتہ ہے۔ آپ قانون دان ہیں۔ وکلا حضرات کو بھی پتہ ہے کہ اس سے کوئی قانون اسلامی قانون نہیں ہو سکتا۔ ہم تمام آئینوں میں ابتدا میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد قرارداد مقاصد لکھ دیتے ہیں یہ تو قرارداد مقاصد کی طرح ایک ابتدائیہ ہے۔ تو یہ ایک لازمی اور ضروری شرط ہے کہ تمام قوانین کا اطلاق جو ہے وہ قرآن و سنت کے مطابق ہو گا۔ اور کوئی طریقہ کار دیوانی اور فوجداری ضوابط ہوں کہیں بھی قرآن و سنت کی مخالفت بالکل نہیں کی جائے گی۔ اصل قانون جس کو کہتے ہیں وہ اصل قانون جب تک قرآن اور سنت کے مطابق نہیں بنایا جائے گا۔ اس وقت تک شرعی عدالتیں حق اور انصاف کے طریقہ پر نہیں بنائی جا سکتیں۔

اس کے بعد دوسری عرض یہ ہے کہ اصل مسودہ قانون جس پر ہمارے دوست وکلا حضرات اور دوسرے دوستوں کو جو خدشات تھے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ خدشات بالکل بے جا ہیں۔ یہاں اسلامی نظام عدل کا نام لینے والے کبھی یہ نہیں سوچتے اور نہ ہی ان کا ارادہ ہے کہ یہاں عدالتوں میں وکلاء کی جگہ پر مجسٹریٹوں کی جگہ پر علماء قبضہ کریں مقصد ہمارا صرف یہ ہے کہ جب آپ اسلامی نظام اور اسلامی عدل و انصاف کا نعرہ بلند کرتے ہیں تو اس کے لئے آپ کو اسلامی قوانین جاری کرنا ہوں گے۔ اور اس کے سمجھنے کی کوشش کرنا ہو گی۔ اور اس کے مطابق کام کرنا ہو گا۔ اس کے بعد لا کمیشن کے سامنے مسودہ قانون آیا۔ اور لا کمیشن کے بعد ہماری فاضل سلیکٹ کمیٹی نے جناب منٹو صاحب کی سرکردگی میں اس رپورٹ کے ساتھ جو کچھ کیا تو میں ایک واقعہ ذکر کرتا ہوں۔

غالباً مولانا روم نے ایک واقعہ لکھا ہے۔ کہ ایک شخص کی یہ خواہش ہو گئی تھی کہ میرے جسم پر بھی کسی جانور کا نقشہ یا تصویر کندہ کر دی جائے۔ جیسے کندہ کرنے والے کندہ کرتے تھے۔ اور وہ سوئیاں چبھو چبھو کر۔ تو وہ اس شخص کے پاس گیا کہ میرے جسم پر شیر کی شکل بنا دی جائے تو گودنے والے نے جب اسے سوئی چبھونی شروع کی تو اس شخص کو تکلیف ہوئی۔ وہ چیخا۔ کہ کیا بنا رہے ہو۔ اس نے کہا کہ شیر کی تصویر بنا رہا ہوں۔ اس نے کہا کہ اس وقت کیا بنا رہے ہو۔ اس نے کہا کہ مثال طور پر اس کے سینگ بنا رہا ہوں۔ مثال کے طور پر اس نے کہا کہ ارے بھائی شیر بغیر سینگ کے بھی تو ہوتا ہے۔ اس سینگ کو چھوڑ دیجئے۔

جناب زیڈ۔ اے سلہری - پوائنٹ آف آرڈر سر - جناب والا۔

شیر کے تو سینگ نہیں ہوتے - یہ مثال ہی غلط دے رہے ہیں تو ان کی بات کو کیسے صحیح مان سکتے ہیں۔ وہ بھی غلط ہو گی۔ دیکھئے کہتے ہیں شیر کے سینگ بنا رہا تھا۔

مولانا سمیع الحق۔ شیر یا کوئی دوسرا جانور۔ میں نے کہا ہے کہ مثال کے طور پر۔ بہرحال میں نے گدھے کا نام تو نہیں لیا۔ کیا تکلیف ہوگئی ان لوگوں کو جیسے مثال کے طور پر کہتے ہیں کہ "گدھے کے سر سینگ" بہرحال جب اس نے دوبارہ سوئی چبھونی شروع کی۔ تو اس شخص نے کہا۔ کہ بھائی اب کیا بنا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ دُم بنا رہا ہوں۔ اس نے کہا رہنے دو دُم کو۔ دم کے بغیر بھی تو شیر ہو سکتا ہے۔ اور پھر جب اس نے تیسری بار سوئی چبھوئی تو اس شخص کو پھر تکلیف ہوئی اس نے کہا کہ اب کیا بنا رہے ہو۔ اس نے کہا کہ شیر کا سر بنا رہا ہوں۔ اس نے کہا کہ سر بھی چھوڑ دو تو اس نے سوئی وغیرہ پھینک دی کہ بھئی ایسا شیر تو ہم نے دنیا میں کہیں نہیں دیکھا جس کی نہ دُم ہو۔ نہ سر ہو۔ نہ پیر ہوں۔

تو ہماری سلیکٹ کمیٹی نے اس نے ایک ایک دفعہ کو ایسا مجروح کرکے اور مسخ کرکے پیش کر دیا

جناب وائس چیئرمین۔ مولانا صرف ایک منٹ باقی ہے۔

مولانا سمیع الحق۔ اور آج یہ جو بڑھ چڑھ کر سلیکٹ کمیٹی کی تعریف کر رہے ہیں اور اس کی تائید کر رہے ہیں یہ بالکل شیر نہیں ایک ڈھانچہ ہے جس پر شیر کا ٹھپہ لگے گا۔ لیکن اس میں توانائی اور شجاعت نہیں ہوگی۔ تو یہاں ہر اس دفعہ میں وہ ترامیم کی گئی ہیں جس سے عدل و انصاف مہیا کرنا اور بھی طویل ہو جائے گا۔

اخوندزادہ بہرہ محمد سعید۔ جب وہ شیر کا صرف ڈھانچہ ہے تو یہ اس شیر سے ڈرتے کیوں ہیں۔

مولانا سمیع الحق۔ جناب ہم ڈرتے نہیں ہم اس شیر کو مکمل شیر انشاء اللہ بنا کر چھوڑیں گے۔

جناب وائس چیئرمین۔ تشریف رکھئے۔

جناب گرداری لال بھاٹیہ۔ جناب والا۔ پوائنٹ آف آرڈر۔

جناب والا۔ کیا انسانوں کے معاملے میں جانوروں کی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔

جناب وائس چیئرمین۔ آپ تشریف رکھئے

جناب مولانا سمیع الحق۔ جناب والا موجودہ جو مسودہ قانون پیش کیا گیا ہے وہ اور بھی اسلامی عدل و انصاف کو دور کر دے گا۔ ہمارے معزز ممبر جناب عبیدالرحمٰن صاحب نے کہا تھا کہ ہمیں بڑی خوشی ہوئی ہے کہ اعلیٰ عدالتوں کی بالادستی کو محفوظ رکھا گیا ہے تو اصل چکر وہی ہے کہ ایک عدالت کے بعد دوسری عدالت اور پھر اس کے بعد تیسری عدالت کے پاس جائے جس طرح صدر صاحب نے ذکر کیا تھا کہ وہ کہیں پندرھویں صدی میں جا کر فیصلہ ہوگا۔ اس لئے خدا کے واسطے اس کے راستے میں رکاوٹیں نہ ڈالئے۔ خدا کے لئے جو لوگ اس کے لئے منتظر ہیں ان کے ساتھ تعاون کیجئے تا کہ ان کو عدل و انصاف مل سکے

جناب وائس چیئرمین۔ آپ مسودے کو اچھی طرح سے پڑھئے پھر سمجھ آ جائے گی۔

جناب مولانا سمیع الحق۔ جناب والا۔ ہم پڑھ چکے ہیں انشاء اللہ ایک ایک دفعہ کا پوسٹ مارٹم کریں گے۔

جہادِ افغانستان

اور
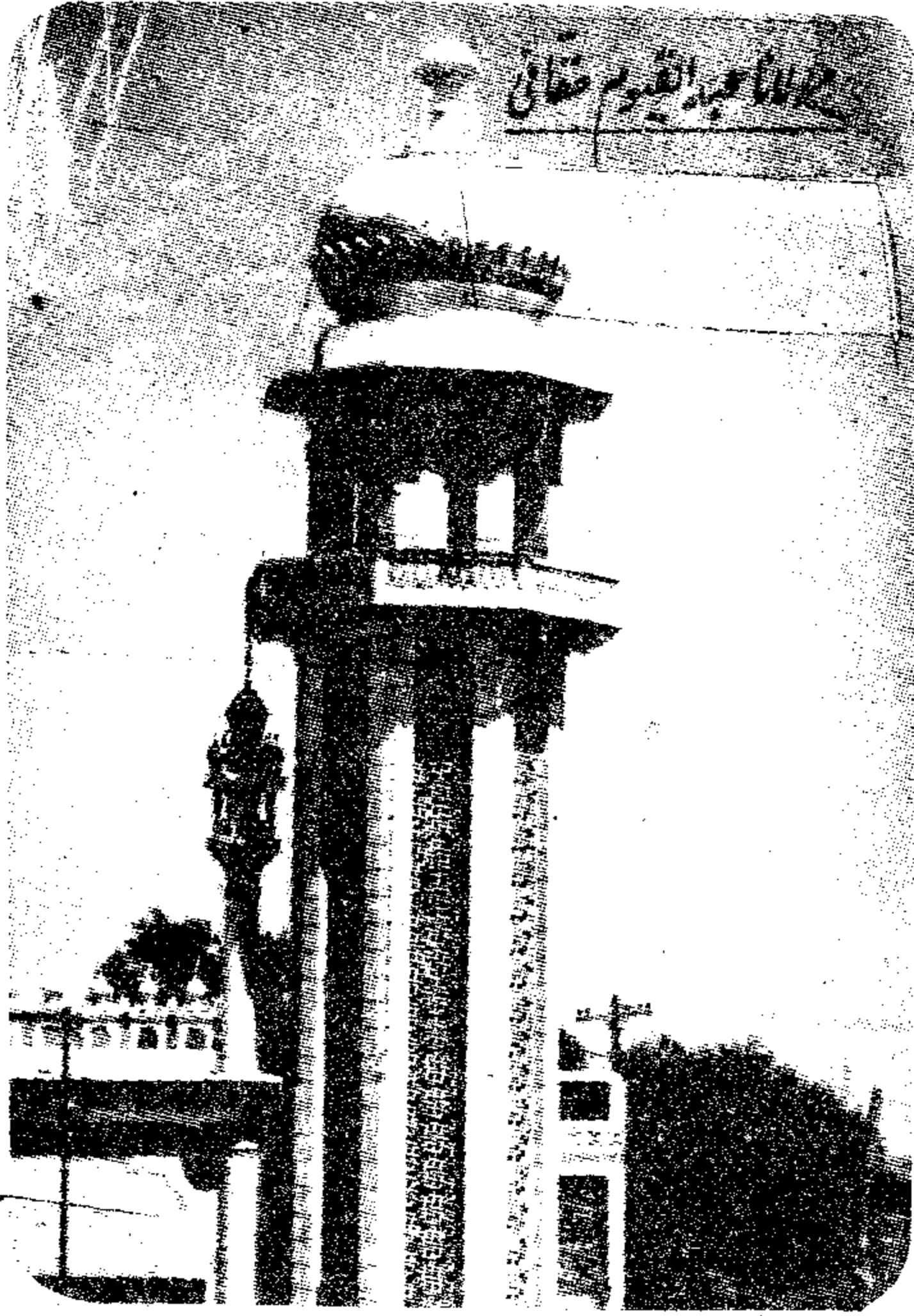
دار العلوم حقانیہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اور زعماء جہاد کے بعض مجالس کی جھلکیاں

جب سے جہادِ افغانستان شروع ہوا ہے۔ تب سے حضرت اقدس شیخ الحدیث مدظلہ کے ہاں افغان مجاہدین، ان کے قائدین اور وفود حاضر ہوتے رہتے ہیں جن میں سے بیشتر حضرت مدظلہ کے تلامذہ اور خاص متوسلین اور فضلاء حقانیہ ہیں۔ جہاد، میدانِ جنگ، مجاہدین، مہاجرین ملکی و سیاسی مسائل اور دیگر اہم امور میں حضرت اقدس سے تبادلہ خیالات کرتے اور دعائیں لیتے ہیں۔ اور بعض مجالس کے اہم نکات کو کبھی کبھی نوٹ کر لیتا ہوں۔ حال ہی میں (جنوری ۱۹۸۳ء) مجاہدین کی مرکزی قیادت کے تین بڑے وفد آئے اور حضرت اقدس سے تبادلہ خیالات کیا۔ احقر نے وہ مذاکرہ اور بات چیت اسی وقت قلم بند کر لی جس کا قابلِ اشاعت حصہ پیشِ خدمت ہے۔ اس کے علاوہ بھی احقر نے حضرت اقدس کی کئی مجالس محفوظ کر لی ہیں جو آئندہ "مجالس الحق" کے عنوان سے انشاء اللہ پیش کرتے رہیں گے۔

موجودہ مجالسی گفتگو سے جہادِ افغانستان کے کئی اہم گوشوں پر براہِ راست اور چشم دید ذرائع سے روشنی پڑ رہی ہے اس لئے نذرِ قارئین ہے۔ (عبدالقیوم حقانی)

حضرت مدظلہ کے پاس آنے والے ان مجاہدین زعماء میں سب وہی لوگ تھے جو اس وقت روسی جارحیت سے برسرِ پیکار ہیں۔ سب متشرع، سنت کے مطابق داڑھیاں۔ افغانی طرز کا مخصوص لباس، پُر ہیبت دستار، مجاہدانہ عظمت اور وقار کبھی ظاہراً اور کبھی خفیہ نہایت جدید آتشیں اسلحہ سے لیس، ارد گرد رائفل بردار محافظین کی جھرمٹ، گویا جیسے

شہدائے بالاکوٹ کی روحیں پھر سے مجسم بن کر میدانِ کارزار میں وارد ہوئی ہیں اُن کے چہروں پر نور اور دل نور ایمان سے معمور تھے۔

سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے، ایک سانچے میں ڈھلے ہوئے، اللہ کے لئے جان دینے والے، شریعت پر جینے اور مرنے والے، جہاد کے نشہ میں سرشار، متقی و عبادت گذار، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سید احمد شہیدؒ کے قافلہ کے سپاہی ہیں جو جنگ کے محاذوں پر دشمن سے لڑ لڑ کر اب حد درجہ بے تابانہ اشتیاق سے زیارت و ملاقات اور آگاہی حالات کی غرض سے اپنے امیر سے ملنے آتے ہیں۔ حضرت اقدس مدظلہ بھی معزز مہمانوں کا پرجوش استقبال فرماتے رہے۔ باوجود کمزوری، نقاہت اور شدتِ ضعف کے دو آدمیوں کے سہارے کھڑے ہو کر اللہ کے دین کے ان سپاہیوں سے فرداً فرداً پرتپاک انداز سے سینہ بسینہ ملتے رہے۔ دارالعلوم حقانیہ کے دفتر اہتمام میں ان کی ضیافتیں کیں اور پہلے وفد کی آمد (۱۰ رجنوری) کے موقعہ پر ارشاد فرمایا۔

حضرت شیخ :۔ ہمارے آقا سید الاولین و الآخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۵۴ سال کی عمر کے بعد زندگی میں ۱۱ غزوات میں خود شرکت فرمائی اور ۵۶ سرایا کو اپنی نگرانی میں اہم جہات پر بھیجا۔ اہل اسلام کے لئے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کا رہنما اصول موجود ہے۔

کافی عرصہ سے اور غالباً سید احمد شہیدؒ کے زمانہ سے جہاد بالسیف عملاً ختم ہو چکا تھا اور ہمارے اپنے علماء طبقہ میں بھی اس سلسلہ میں حد درجہ سستی اور تساہل آ گیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں اور بالخصوص آپ علماء حضرات پر بہت بڑا احسان فرمایا۔ کہ اپنے دین کی نصرت کے لئے روسی جارحیت کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا۔

آپ حضرات علماء ہیں۔ آپ کا خلوص، مخلصانہ ولولہ جہاد اور میدانِ جہاد میں سرفروشانہ کردار حقیقتاً پورے اہل اسلام کے لئے حفاظت کا مضبوط قلعہ ہے۔ گو آپ کے مقابلہ میں دشمن بڑا طاقت ور مسلح، غدار اور عیار اور مکار ہے۔ مگر انشاء اللہ دشمن کو ضرور شکست فاش ہوگی۔ ان تنصروا اللہ ینصرکم اور اس سے پہلے بھی نظیر میں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ لقد نصرکم اللہ ببدر و انتم اذلہ

یہ دارالعلوم حقانیہ اور اس کے ارکان علماء، مدرسین، فضلاء اور طلباء، مجاہدین افغانستان کے ادنیٰ غلام اور خادم ہیں۔ اور ہم باری تعالیٰ کے حد درجہ شکر گزار ہیں کہ آج واقعۃً عملی طور پر بھی ہمارے حقانی فضلاء اور طلباء چترال سے لے کر کوئٹہ تک جہاد افغانستان میں عملاً آپ کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔

ایک مجاہد :۔ وفد کے ایک ساتھی آگے بڑھے۔ یہ مولانا عبدالستار صدیق صاحب تھے جو بڑے جید عالم اور انوار المدارس کے فاضل ہیں نے عرض کی!

حضرت! ہم سب دارالعلوم حقانیہ کو اپنی تربیت گاہ سمجھتے ہیں اور ہمارا یقین ہے دارالعلوم حقانیہ عملاً بھی اپنے

نامُ کا مصداق ہے۔

حضرت شیخ :۔ آج کل تو سخت سردی پڑ رہی ہے۔ برف بھی پڑی ہوگی۔ دوسری طرف دشمن بھی طاقت ور ہے۔ اور مجاہدین کے ہاں تو بظاہر، ظاہری اسباب اور وسائل بھی بہت کم بلکہ مفقود ہیں۔ تو۔۔۔۔

ایک مجاہد :۔ حضرت! اس کے باوجود دشمن کے ہر حملے کا نتیجہ صفر واقع ہو رہا ہے۔ دشمن مجاہدین کے ٹھکانوں کو تاک میں رکھتا ہے۔ اور ان کے ٹھکانوں پر ہر وقت بمباری جاری رہتی ہے۔ بمباری سے آگ بھڑک اٹھتی ہے اور دشمن کو یقین ہو جاتا ہے کہ اس مورچہ میں جس قدر مجاہدین ہیں سب ہلاک ہو گئے ہیں۔ مگر باری تعالیٰ ہماری حفاظت فرماتا ہے جس پر دشمن بھی حیران ہو کے رہ جاتا ہے۔ کہ کل کو پھر مجاہدین اپنے انہی ٹھکانوں میں محفوظ اموجود اور دشمن سے مقابلہ کرتے نظر آتے ہیں۔

حضرت شیخ :۔ یہ آئے دن جو آپ کی اطلاعات آتی رہتی ہیں کہ دشمن کے بعض افراد مجاہدین سے مل رہے ہیں اور۔۔۔۔۔۔

ایک معزز عالم دین : خلقی لوگ جو اپنا عقیدہ بدل چکے ہیں وہ مجاہدین کا ساتھ نہیں دیتے اور اگر کبھی شامل بھی ہو جائیں تو جلد ہی ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسے لوگ دھوکہ اور جاسوسی کی غرض سے آتے ہیں تاہم ایسے افراد بحمداللہ چھپے نہیں رہتے جلد پہچان لئے جاتے ہیں۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو سہواً اور غلط فہمی سے دشمن کے ساتھ لگ گئے ہیں، ایسے لوگ جوق در جوق آتے ہیں اور مجاہدین کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں اور الحمدللہ کہ مجاہدین دونوں قسم کے لوگوں میں جلد امتیاز کر لیتے ہیں۔

حضرت شیخ :۔ حضرت نور المشائخ کے متعلق بھی کچھ معلوم ہوا ہے؟

قائد وفد :۔ نہیں۔ ان کا کچھ بھی علم نہیں۔ ان کی زندگی اور موت کا کچھ بھی پتہ نہ لگ سکا۔ مشائخ اور علماء کی عام گرفتاریاں تو ترکئی کے انقلاب سے تاحال صدر درجہ ظالمانہ انداز اور دہشت گری سے جاری ہیں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے (خدا نہ کرے) وہ شہید ہو چکے ہیں (کیونکہ ان کی زندگی کی قوم اور ملک و ملت کو اشد ضرورت ہے) کیونکہ جو بھی ایک مرتبہ گرفتار ہوا ہے پھر اس کا کوئی پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کہاں ہے۔ یا دشمن نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔

۱۲ر جنوری ۸۳ء :۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آج پھر مجاہدین افغانستان کی مرکزی قیادت کا ایک دوسرا بہت بڑا وفد جس میں علماء و مشائخ، مختلف جنگی محاذوں کے قائدین اور کئی حقانی فضلاء بھی شامل ہیں۔ سب ادب و وقار سے دو زانو بیٹھے اور ہمہ تن گوش ہو کر حضرت اقدس کے ارشادات سن رہے ہیں۔

حضرت شیخ :۔ آپ حضرات کو خداوند قدوس نے روسی دشمن کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا ہے۔ آپ کا یہ عظیم جہاد

نہ صرف افغانستان اور پاکستان کے لئے، بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے حفاظت کا ایک زبردست قلعہ ہے۔ اگر آپ حضرات، اسلامی جہاد کی صورت میں، عزم و استقلال کے ساتھ اس خونی دشمن کا مقابلہ کرتے تو آج یقیناً آپ کا یہ دارالعلوم حقانیہ بھی طالبانِ علوم نبوت کی درسگاہ ہونے کے بجائے، گھوڑوں کا اصطبل بن چکا ہوتا۔ جیسا کہ سمرقند اور بخارا، ایک زمانہ میں، علوم اسلامیہ کا مرکز تھے مگر آج روسی استبداد کی وجہ سے وہاں کے دینی مدارس اور مساجد حیوانات کے اصطبل بن چکے ہیں۔

ویسے تو خداوند قدوس اپنے دین کا خود محافظ ہے اور جس سے چاہتا ہے حفاظت لے لیتا ہے۔ مگر آج باری تعالیٰ اپنے پیارے دین کی حفاظت کا کام جہاد کی صورت میں آپ علماء حضرات سے لے رہا ہے۔ آپ بڑے خوش قسمت ہیں کہ مجاہدین کی قیادت بھی کر رہے ہیں اور دوسری طرف سپاہیانہ کردار بھی ادا کر رہے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حالیہ جہاد افغانستان میں، قیادت بھی علماء کے ہاتھ میں، میدان میں سپاہیانہ مقابلہ بھی علماء کر رہے ہیں — ویسے عام عوام، جنہیں علم اور اہل علم کی صحبت اور ہم نشینی بہت کم حاصل ہوتی ہے عام طور پر ایسے بڑے اور عظیم جہاد میں شرکت اور قربانیوں کی سعادت سے محروم رہتے ہیں۔ اور آپ حضرات خوب جانتے ہیں کیونکہ آپ اس میدان میں اتر چکے ہیں کہ بعض اوقات مجاہدین کو عام عوام کا قلبی تعاون بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔

قائد وفد:۔ اس کے بعد وفد کے قائد نے تمام ارکان کی طرف سے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کی۔

محترما! ہمارا یہ وفد جو خدمت اقدس میں حاضر ہے اس میں بڑے اور عظیم مشائخ بھی ہیں۔ علماء اور مدرس بھی ہیں اور میدانِ جنگ کے مختلف محاذوں کے قائد اور رہنما بھی۔ ہمیں کل حضرت العلامہ مولانا عبدالحلیم صاحب زروبوی (صدر المدرس دارالعلوم حقانیہ) کی وفات کی اطلاع ہوئی، حد درجہ صدمہ ہوا۔ ان کی وفات سے آپ کو اور دارالعلوم حقانیہ کو جو صدمہ پہنچا ہے ہم بھی اس میں آپ کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ ہمارا یقین ہے کہ آپ کا وجود اقدس خداوند قدوس کے نزدیک برکت کا احساس ہے۔ افغانستان کے تمام علماء اور علوم دینیہ کے طلبا (جن کی تعداد تقریباً ۵ لاکھ ہے) آپ سب کی عقیدت اور خلوص و محبت کا مرکز ہیں۔

آپ ہی کے وجود مسعود سے اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم حقانیہ کو وجود دیا۔ افغانستان میں علماء کی اکثریت، دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء کی ہے۔ افغانستان کے سب علماء کا عقیدہ اور نظریہ وہی ہے جو دارالعلوم حقانیہ کے مشائخ اور اکابر اساتذہ کا ہے۔ ہم سب فکر و نظر کے لحاظ سے ایک ہیں۔

یہ جہاد جس میں ہمدردیاں، تعاون اور پرخلوص دعائیں جس طرح ہمارا ساتھ دے رہی ہیں ہم سے کسی طرح بھی پوشیدہ نہیں ہیں۔ آپ کی پرخلوص دعاؤں سے ہمیں میدان کارزار میں زبردست کمک حاصل ہوجاتی ہے یہ بجا ہے کہ گذشتہ دور میں ہمارے افغانستان کے علماء سیاسی میدان میں نہیں اترے اور نہ ہی اترنا ضروری سمجھتے تھے۔

اور یہ بھی صحیح ہے کہ وہاں کے علماء نے قوم کی کوئی سیاسی خدمت نہیں کی۔ البتہ افغانستان کے علماء نے یہ کام ضرور کیا کہ وہاں کے عوام کا ایک خاص ذہن بنایا اور ان کے ذہنوں میں دین کی عظمت بٹھائی جس کا نتیجہ آج دنیا دیکھ رہی ہے۔ کہ روس جو عالمی طاقت بن چکا ہے۔ آج دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی اس کے مقابلہ کی جرأت نہیں کر سکتی اس کے مقابلہ میں افغان مجاہدین نکل آئے ہیں۔ وہاں کے علماء ہی کی عظیم خدمت ہے کہ غریب نہتے عوام کا روس کی عظیم طاقت کے ساتھ نہتے ہاتھوں جہاد جاری ہے۔

حضرت! افغانستان کے علماء کا بھی یہی عقیدہ ہے یہ حالیہ جہاد صرف افغانستان کے لئے نہیں بلکہ عالم اسلام کے تحفظ کا جہاد ہے۔ ہمارے اس جہاد کا اصل سرچشمہ علماء دیوبند اور دارالعلوم حقانیہ ہیں۔ ہمارے ہاں کے اکثر علماء دارالعلوم حقانیہ کے فاضل ہیں۔ میدانِ جنگ میں بھی حقانی فضلاء جس انداز سے جرأت و کردار کا مظاہرہ کرتے ہیں ایک دنیا ورطۂ حیرت میں ڈوب کے رہ جاتی ہے۔ حقانی فضلاء کا وہاں کے عوام پر بھی زبردست اثر ہے۔ حقانی فضلاء جدھر بھی رخ کرتے ہیں اور جہاں بھی ہوتے ہیں ان کے چہروں سے حقانیت کا نور ٹپکتا ہے۔ یہ سب آپ کی دعاؤں کی برکات ہیں ہمارے اس جہاد کا اصل مرکز آپ کا وجود گرامی ہے جس کی صحت اور بقا کے لئے ہم ہر وقت دعاگو رہتے ہیں۔

حضرت! ہم سے حاضر ہونے میں جو قدرے تاخیر ہو جاتی ہے۔ اس کی معذرت چاہتے ہیں۔ ہمارے حالات کے پیش نظر امید ہے کہ ہمارے اس قصور کو معاف فرمائیں گے۔

ہم آپ کی مجلس اور اس میں بیٹھنے کو جنت یقین کرتے ہیں اور اس کے لئے بے تاب رہتے ہیں۔ لیکن کیا کریں ادھر بھی ذمہ داریاں ہیں، مصروفیات ہیں، جہاد، مہاجرین کی نگہداشت، شہداء کی تجہیز و تکفین اور معاشی ضروریات اسلحہ کی کمی، ملکی و غیر ملکی مسائل اور سیاسی مسائل اور اس نوعیت کے کئی عوارض ہیں جن کی بنا پر یہاں حاضری میں کوتاہی ہو جاتی ہے۔

اس موقع پر حضرت اقدس کی آنکھیں اشکبار اور چہرہ پر حد درجہ تفکر اور اضطراب کی سی کیفیت طاری تھی

حضرت شیخ:۔ میں اپنی نجات اور اپنی فلاح و کامیابی کے لئے افغان مجاہدین کی غلامی پر فخر محسوس کرتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ ہمارا ایمان تب محفوظ ہے جب اللہ رب العزت آپ مجاہدین حضرات کے خدام میں ہمارا شمار کرلے۔

ہم جب دارالعلوم دیوبند میں تھے غالباً وہ زمانہ افغانستان میں امیر امان اللہ خان کے اقتدار کا تھا تو دیوبند کے مشائخ اور اساتذہ نے وہاں دیوبند سے جو حریت اور آزادی کا نعرہ بلند کیا۔ افغانستان میں اپنے تلامذہ بھیجے اور وہاں سے آنے والے طلبا کو آزادی کا سبق پڑھایا۔ ہم میں اگرچہ وہ ہمت نہیں رہی اور نہ ہی اس عظیم منصب کے اہل ہیں تاہم علماء دیوبند کی غلامی اور کفش برداری پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے جو حریت آزادی اور جہاد کا سبق پڑھایا ہے اس پر جان دینا عین ایمان سمجھتے ہیں اور یہی بات طلباء سے بھی کہتا رہتا ہوں۔ اس وقت

بھی ہمارے دارالعلوم حقانیہ میں افغانستان کے نصف سے زائد طلبا تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ جب سے جہاد شروع ہوا ہے تب سے دارالعلوم حقانیہ نے بھی افغان طلبا اور ان کے علاوہ جہاد میں شرکت کرنے والے تمام طلبا سے داخلے، حاضری اور آنے جانے پر ہر قسم کی پابندیاں ختم کر دی ہیں۔ طلبا کی جماعتیں جاتی ہیں جو ماہ دو ماہ اور اس سے بھی زائد جہاد میں شریک ہو کر جب واپس آتی ہیں تو دوسری جماعتیں روانہ ہو جاتی ہیں۔ ہم نے ایسے طلبا سے یہ بھی کہہ رکھا ہے کہ تمہارے قضا شدہ اسباق کا ہم انتظام کر دیں گے تم خوب دل جمعی سے مصروف جہاد رہو۔

اے کاش! بڑھاپا، کمزوری، ضعف، اور نابینائی اور یہاں کی اہم ذمہ داریاں مانع نہ ہوتیں۔ کاش! مجاہدین کے ساتھ میدان جنگ میں شانہ بشانہ لڑتا، بس اب تو یہی تمنا رہ گئی ہے۔

قائد وفد:۔ حضرت! یہ سب مجاہدین اور ان کے قائدین آپ کے ہاتھوں کے لگائے ہوئے درخت ہیں اس جہاد کی بنیاد بھی حقیقت میں آپ نے اور آپ کے مخلص تلامذہ نے رکھی ہے۔

ایک مجاہد:۔ حضرت! ہم تو دیکھ دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ میدان جہاد میں جہاں بھی ایک عالم دین ہوتا ہے، آپ کے مدرسہ کے طلبا، تو وہاں لڑائی میں بھی خوب جوش رہتا ہے۔ لڑنے میں بھی مزہ آتا ہے اور الحمدللہ کہ غلبہ بھی مجاہدین کو حاصل رہتا ہے۔ اور جب بعض اوقات بڑے علماء یا محاذ جنگ کے قائدین سے کوئی شہید ہوتا ہے تو دل کو دھچکا بھی خوب ....

حضرت شیخ:۔ جی ہاں! غزوۂ احد میں بھی جب بڑے بڑے صحابہ کرام شہید ہوتے تو مسلمانوں کو اس سے طبعی رنج اور پریشانی لاحق ہوئی تو اللہ رب العزت نے ان کی تسکین قلب کے لئے وحی نازل فرمائی

ویتخذ منکم شہداء (الآیۃ)

یعنی یہاں خدا تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں اولیا ہوں، اتقیا ہوں، علما ہوں۔ وہاں یہ بھی چاہتے ہیں کہ اس امت میں شہداء بھی ہوں۔ شہادت بھی امت ہی کی فضیلت کا باعث ہے۔ خداوند تعالیٰ اپنے جس بندے کا مقام اور رتبہ بلند کرنا چاہتے ہیں تو اسے مقام شہادت سے نوازتے ہیں۔ اللہ والوں کو شہادت سے مزید بلند ہمتی حاصل ہوتی ہے پست ہمتی نہیں۔ اگر مادی وسائل اور ظاہری اسباب پر نظر ڈالی جائے تو محض عقل یہی کہتی ہے کہ اب مجاہدین کو فنا ہو جانا چاہئے تھا اور تحت الاسباب کسی مجاہد کا وجود بھی نظر نہ آتا۔ مگر باری تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آپ مجاہدین حضرات کی زبردست نصرت فرما رہا ہے۔

ہمارے ایک فاضل نے جو میدانِ جہاد سے ایک روز ملنے آئے تھے، بتایا کہ ایک روز میدان جہاد میں شام کو میں نے اپنے اللہ کے حضور دعا کی کہ یا اللہ! میرے پاس اسلحہ وغیرہ تو کچھ نہیں اور اگر کچھ ہے تو وہ صرف یہ عصا ہے جسے میں ہاتھ میں تھامے ہوئے ہوں۔ میرے اللہ تو قادر کریم ذات ہے۔ میرے اللہ! تو اپنی قدرت کاملہ سے اس

روسی فوج نشہ میں دھت ہو کر سو
عصا کو مشین گن بنا دے۔ جب رات کافی بیت گئی اور ہر طرف سناٹا چھا گیا۔
گئی۔ جو مجھ سے ایک فرلانگ کے فاصلہ پر تھی۔ میں تنہا، خدا کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے روسی فوج کے
قریب جا پہنچا۔ اور بڑی آہستگی سے سوتے ہوئے روسی سپاہی سے مشین کھسکا لی۔ اور پھر خداوند تعالیٰ نے اسی
وقت یہ ہمت دی کہ دشمن کی اسی مشین سے وہاں پڑے ہوئے تمام روسی فوجیوں کو ہلاک کر دیا۔
میں نے شام کے وقت خدا کے حضور جو دعا کی تھی وہ اس طرح قبول ہوئی۔ فللہ الحمد۔ اور جیسا کہ روایات
میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کسی رفیق کے لئے میدان جہاد میں دعا کی تو باری تعالیٰ نے
اس کے ہاتھ کی چھڑی کو تلوار بنا دیا۔ آج بعینہ وہی کرامات اور اللہ رب العزت کی غیبی نصرتیں ہم اپنی آنکھوں سے
دیکھ رہے ہیں کہ مجاہدین کی لکڑیاں بھی تلواریں بن رہی ہیں۔

حضرت شیخ نے فرمایا۔ آزادیٔ فلسطین کا مسئلہ بارہ سال سے چل رہا ہے پچیس لاکھ یہودی ہیں اور ان کے مقابلہ
میں ۱۲ کروڑ عرب، مگر وہاں جہاد افغانستان کے مقابلہ کا جہاد نہیں ہو رہا۔ بلکہ فلسطین کا جہاد افغان جہاد کی
نسبت عشر عشیر بھی نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جہاد افغانستان میں قیادت علماء کے ہاتھ میں ہے اور خود علماء کرام میدان
جنگ میں اترے ہوئے ہیں اور دشمن سے جنگ کر رہے ہیں۔ افغان جہاد میں جو شجاعت و استقامت اور فتح و
نصرت آپ کو نظر آتی ہے یہ سب علماء کے وجود کی برکتیں ہیں اور ان کی جنگ خالص نظریاتی، اسلامی اور خدا کے لئے ہے جب کہ
دوسری طرف فلسطین میں قیادت ایسے ہاتھوں میں ہے جو خود مغرب زدہ، اسلامی تعلیمات اور ان کی روح سے نا آشنا، اسلامی
جہاد اور اس کے اصولوں سے بے خبر ہیں اس لئے فلسطین میں کامیابی کے لئے، کامیابی کا سب سے پہلا زینہ یہی ہے کہ وہاں
کے مجاہدین اولاً اپنے اندر اسلامی انقلاب پیدا کریں، اسلامی تہذیب اختیار کریں اور وہاں کے علماء بھی اس ذمہ داری
کو محسوس کرتے ہوئے، خدا کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے بے خوف و خطر میدان میں کود پڑیں۔ آپ حضرات نے
مجھ پر بہت بڑا احسان کرتے ہیں جو یہاں تشریف لاتے ہیں اور میری بھی یہی تمنا رہتی ہے کہ آپ حضرات سے زیارت
و ملاقات کی سعادت حاصل کروں۔

افغان مجاہدین کو رخصت کرتے ہوئے فرمایا:۔
جب دشمن سے مقابلہ ہو تو مٹھی میں کنکریاں لے کر " وشاہت الوجوہ " کہتے ہوئے دشمن کی طرف پھینکیں
اور اس وقت اس آیت کا وظیفہ جاری رکھیں۔
وجعلنا من بین ایدیھم سداً و من خلفھم سداً فاغشیناھم فھم لا یبصرون۔ (الآیۃ)
انشاء اللہ خالق باری تعالیٰ دشمنوں کو اندھا کر دے گا اور تمہاری پھینکی ہوئی کنکریاں دشمن کے لئے بارود او
ایٹم بم ثابت ہوں گی۔

(جاری ہے)

جناب قاضی عبدالحلیم اثرؔ

مآثرِ طورو

ایک شہر جو علمی حیثیت سے سرحد کا بخارا کہلاتا تھا

عزیزی برادر زادہ ام مولوی سمیع الحق سلمہ اللہ[له]

السلام علیکم ورحمۃ اللہ ۔ مجلہ الحق کی اشاعت فروری ۱۹۸۲ء ص ۱۵ سطر ۱۱ کی درج ذیل عبارت آج ۲۵ مارچ ۱۹۸۲ء کو نظر سے گذری۔ لکھا گیا ہے۔

حضرت شاہ صاحب (محمد انور شاہ کشمیری) کے بارہ میں مصنف کو مولانا عبدالجمیل افغانی کے حالات نہیں مل سکے۔ حضرت مولانا ہمارے صوبے کے عظیم شخصیتوں میں سے تھے ہم ان کے فرزند جلیل مولانا عنایت اللہ طوروی سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ اپنے والد مکرم ومعظم مرحوم کی سوانح "الحق" کے لئے مہیا فرما کر یہ کمی پوری کردیں (اقتباس ختم ہوا)

مندرجہ بالا اقتباس سے متعلق چند ایک باتیں ایسی ہیں جن کی وضاحت ضروری ہے

۱۔ یہ کہ طورو کے مولانا عبدالجمیل افغانی نہیں بلکہ نسلاً گیلانی سید تھے۔ افغانوں میں رہنے کی وجہ سے افغانی کہلاتے۔

۲۔ مولانا عنایت اللہ طوروی کو ان کا فرزند جلیل لکھا گیا ہے اس سے یہ اشتباہ پیدا ہو سکتا ہے کہ آپ اپنے

[له] راقم الحروف عبدالحلیم اثرؔ اور عزیزی سمیع الحق کے والد ماجد مولانا عبدالحق صاحب ہم دونوں ضلع پشاور کے علاقہ خالصہ کے موضع ملوگی میں سید مولانا توکل شاہ باجوری المعروف کوہستان ملا صاحب کے پاس علم صرف کی مراح الارواح میں ہمدرس تھے حضرت سید توکل شاہ علم صرف کے مشہور عالم احمد جی صاحب ساکن لالہ۔ کالا علاقہ خالصہ کے شاگرد تھے۔ اور حضرت مولانا احمد جی صاحب سلسلہ عالیہ قادریہ میں مولانا عبدالوہاب عرف مانکی صاحب کے خلیفہ اور ماذون تھے۔

والد کے بڑے فرزند ہوں گے جب کہ حضرت مولانا عبدالجمیل مرحوم کے تین فرزند اس ترتیب سے ہیں۔ مولانا لطف اللہ مولانا عنایت اللہ۔ مولانا امانت اللہ۔

۳۔ راقم الحروف نے اپنی تالیف روحانی رابطہ دارالعلوم حقانیہ کو نذر کیا ہے۔ اس میں ص ۵۵۵ تا ۵۶۷ پر سید محمد یونس گیلانی کے عنوان کے تحت سید عبدالجمیل اور اس کے پورے خاندان کے حالات ملاحظہ کئے جائیں۔ یہ حالات میں نے سید مولانا عبدالجمیل ولادت ۱۲۸۲ھ ۱۸۶۵ء کے بڑے بھائی مولانا السید محمد اسرائیل شہید (ولادت ۱۲۷۲ھ ۱۸۵۵ء) کے فرزند و خلف اکبر مولانا علامہ بحر العلوم محقق کبیر و مورخ شہیر السید محمد امین خوگیانی کی اعانت سے تحریر کئے ہیں حافظ محمد ادریس شہید طوروی کی والدہ ماجدہ سید محمد امین خوگیانی کی ہمشیرہ اور مولانا السید الشیخ محمد اسرائیل شہید کی لڑکی تھیں

حضرت العالم الفاضل و العارف الکامل محمد امین خوگیانی جب حافظ محمد ادریس شہید کی تعزیت کے سلسلہ میں کابل سے طورو تشریف لائے تو اس گیلانی خاندان کے شجرہ نسب پر بحث کے سلسلہ میں مولانا السید الشیخ عبدالجمیل کی ایک قلمی دستاویز تذکرہ جمیل جب ملاحظہ کیا گیا تو راقم الحروف نے عرض کیا کہ یہ شجرہ ناقص ہے درمیان میں کئی نام لکھنے سے رہ گئے ہیں۔ میرے پاس یہ شجرہ مکمل موجود ہے۔ دوسرے دن مولانا محمد امین خوگیانی میرے غریب خانہ پر تخت بھائی تشریف لائے اور شجرہ دیکھ کر اظہار مسرت فرمایا۔

اس خاندان میں سید عبدالجمیل اور سید محمد اسرائیل دونوں کے بڑے بھائی مولانا محمد اسماعیل (ولادت ۱۲۶۹ھ ۱۸۵۲ء) جو معمر ترین بزرگ تھے۔ ۱۹۲۵ء میں راقم الحروف اور حافظ محمد ادریس شہید ان سے تحریر اقلیدس اور قاضی مبارک پڑھ رہے تھے اور مولانا عبدالجمیل کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالجلیل سے اصول شاشی حافظ محمد ادریس شہید کے بغیر پڑھتا رہا۔ اس نسبت سے گیلانی سادات کا یہ خاندان میرے استادوں کا خاندان ہے۔ جہاں تک ان کے شجرہ نسب کا تعلق ہے۔ یہ خدمت راقم الحروف نے اپنی تالیف روحانی رابطہ میں کسی حد تک انجام دینے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اور جہاں تک مولانا عبدالجمیل کی عملی زندگی کا طورو۔ سوات اور ہندوستان کے قیام کے زمانہ کا تعلق ہے۔ وہ میرے مخدوم زادہ مولانا عنایت اللہ بیان فرماسکیں گے۔ یہ حالات مولانا عبدالجمیل کی خودنوشت سوانح حیات تذکرہ جمیل میں موجود ہے۔

مولانا عبدالجمیل کے والد ماجد کا اسم گرامی سید حفیظ اللہ ہے۔ ان کا سلسلہ نسب سید شمس الدین عبدالعزیز بن سید میراں محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانیؒ تک جا پہنچتا ہے۔ اس سید عبدالجمیل ولد سید حفیظ اللہ جی کے علاوہ موضع طورو میں گیلانی سادات کا ایک دوسرا خاندان بھی ہے۔ جن کا شجرہ نسب سید سیف الدین عبدالوہاب بن سید میراں محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانی تک پہنچتا ہے۔ اس خاندان میں ایک عظیم المرتبت عالم ہو گذرے ہیں۔ سید عبدالجلیل ابن خیر اللہ جی۔ یہ موضع کالکا ضلع انبالہ (بھارت) بہادلپورا اور دہلی کے اسلامی دارالعلوموں

میں مدرس رہے۔ دہلی سے ان کی تالیف فتاوی چھپ چکی ہے[۵]۔ میری ان چند سطور کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ مزید تحقیق اس بات کی ہونی چاہئے کہ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ عبدالجمیل طوروی کے شاگرد تھے یا عبدالجلیل طوروی کے؟ بہرحال میں نے یہ مناسب سمجھا کہ ماثر طورو کے عنوان کے تحت بخارا ثانی طورو کے ان دونوں گیلانی سادات کے خاندانوں پر قارئین الحق کے لئے مختصراً کچھ معلومات پیش کردں۔ ان دونوں خاندانوں کا سادات اور مشائخ کے جن دوسرے خاندانوں سے نسلی رشتوں کا یا روحانی رابطوں کا جو تعلق ہے۔ اور ان میں بعض اصحاب کو جن التباسات اور اشتباہات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ان کی بھی وضاحت کردں۔ طورو کے اس دوسرے عبدالوہابی گیلانی سادات کے خاندان پر ابھی تک کچھ نہیں لکھا گیا۔ اس خاندان میں سے سید میر عتیق اللہ بن سید میر عبداللہ جی میرے اور حافظ محمد ادریس کے علم ادب عربی کے استاد تھے۔ کتاب نفحۃ الیمن ان سے پڑھی تھی۔ حضرت مولانا سید گل بادشاہ امیر شریعت اور صدر جمعیۃ العلماء سرحد مرحوم ساکن سوریان نزد طورو سید میر عتیق اللہ کے چچا زاد بھائی تھے۔ اس خاندان کے مشاہیر علماء کا تذکرہ تاریخی طور پر مفید ثابت ہوگا۔

محمد شاہ مندوران | ہم محمد شاہ مندوران کی نسل کے ان مشاہیر کا ذکر کریں گے جو قبائل یوسف اور مندن یوسف کے ساتھ شامل رہے۔ پہلے سید الشیخ عبدالجمیل گیلانی طوروی کا اور پھر سید عبدالجلیل طوروی کا شجرہ نسب درج کر رہے ہیں البتہ مولانا عبدالجمیل گیلانی طوروی کے شجرہ نسب میں چند ایک تاریخی نکات کا اضافہ کریں گے جو میری تالیف روحانی رابطہ میں نہیں ہے اور میں نے مولانا محمد امین خوگیانی بن مولانا محمد اسرائیل گیلانی طوروی کی روایت پر اعتماد کیا تھا مولانا محمد امین خوگیانی الحمدللہ ابھی بقید حیات ہیں۔ میری معروضات سے موصوف اور طورو کے خاندان گیلانی سادات کے اکابر علماء اور ان کے اخلاف اپنی معلومات میں تصحیح فرمالیں۔

السید الشیخ مولانا عبدالجمیل گیلانی طوروی | شجرہ نسب یہ ہے۔ سید عبدالجمیل ابن سید حفیظ اللہ ابن سید معظم شاہ ابن سید محمد ابن سید ولی محمد ابن سید محمد یوسف ابن سید محمد یونس رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

---

[۵] یہ مطبوعہ کتاب مولانا محمد شعیب مرحوم خطیب ضلع مردان کے پاس تھی۔ مولانا عبدالجلیل مرحوم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب سبع سنابل کا قلمی نسخہ موضع رستم ضلع مردان میں سید محمود شاہ کے پاس ہے۔ مولانا عبدالجلیل کی سکونت موضع بخشالی ضلع مردان میں تھی۔ اس گاؤں میں موضع تورڈھیری کے صاحبزادگان کے خاندان کے لوگ بھی آباد ہیں۔ یہ صاحبزادگان نسلاً ابدالی ہیں شیخ محمد عارف ابن شیخ احمد عبدالحق (متوفی ۸۳۶ھ ۱۴۳۳ء) ابن شیخ یحییٰ کبیر غورغشتی سہروردی (ولادت ۷۰۰ھ وفات ۸۳۷ھ ۱۳۰۷ء) عمر ۱۲۰ سال کی نسل ہے یحییٰ کبیر کے سات فرزندوں کی نسل باقی رہی ہے۔ سب کی اولاد صاحبزادگان کہلاتی ہے۔

سید محمد یونس کی زوجہ سیدہ آلیہ مولانا عبدالوہاب عرف اخوند پنجو بابا ابن سید سلطان عبداللہ المعروف بہ خواص خان غازی کی دختر تھیں۔ سید محمد یونس اور ان کے فرزند سید محمد یوسف دونوں کے مزارات مبارکہ موضع طورو کے مغرب میں واقع ندی کلپانی کے مغرب میں موضع خاوہ میں ہیں۔ یہ گیلانی سادات کا آبائی قبرستان ہے۔ حضرت سید حفیظ اللہ ان کے آباؤ اجداد اور ان کے تمام فرزندوں کے مزارات یہیں واقع ہیں۔ راقم الحروف نے مولانا محمد امین خوگیانی اور حضرت اخوند پنجو بابا کی نسل میں سے سید محب اللہ کی معیت میں ان مزارات کا سلام کیا ہے۔ موضع خاوہ نوشہرہ مردان روڈ پر موضع رشکئی کے مشرق میں واقع موضع غلہ ڈھیر کے شمال میں واقع ہے۔

حضرت السید الشیخ اخوند حافظ محمد معظم قادری نقشبندی کے چھ فرزند تھے جن کے نام یہ ہیں:-

سید حفیظ اللہ۔ سید حمید اللہ۔ سید حبیب اللہ۔ سید عبداللہ۔ سید فیض اللہ۔ سید سعد اللہ

یہ سب سلسلہ عالیہ قادریہ نقشبندیہ اور سلسلہ چشتیہ صابرہ کے مشائخ۔ عالم علوم دینیہ اور حافظ قرآن تھے۔ ان میں سے سید شیخ اخوند حافظ سعد اللہ کوشگو بابا کہتے تھے۔ ان کی صرف ایک ہی دختر تھی جو حافظ محمد ادریس شہید کے والد ماجد حافظ احمد شاہ کی والدہ تھی۔ حافظ سعد اللہ کی نرینہ اولاد زندہ نہ رہی۔ ان کے داماد حافظ احمد شاہ مرحوم کی سکونت انہی کے گھر رہی اور اسی مکان میں حافظ محمد ادریس شہید کی ولادت ہوئی۔ حافظ احمد شاہ کی بیوی حافظ محمد اسرائیل شہید گیلانی کی لڑکی تھی۔ مولانا حفیظ اللہ گیلانی قادری چشتی صابری نے ۱۳۰۷ھ ۱۸۸۹ء میں وفات پائی۔ آپ کے پانچ فرزند تھے۔

۱۔ سید الشیخ اسحاق (ولادت ۱۲۵۷ھ ۱۸۴۱ء) آپ حافظ عبدالغفور عرف غوث سیدو کے شاگرد تھے۔

۲۔ 〃 〃 اسماعیل (ولادت ۱۲۶۹ھ ۱۸۵۲ء) 〃 〃 〃 〃

۳۔ 〃 〃 اسرائیل (ولادت ۱۲۷۲ھ ۱۸۵۵ء) 〃 〃 〃 〃

۴۔ 〃 〃 عبدالجمیل (ولادت ۱۲۸۱ھ ۱۸۶۴ء) آپ اپنے والد کے ساتھ غوث سیدو کے سلام کے لئے حاضر ہوئے تھے

۵۔ 〃 〃 عبدالجلیل (ولادت ۱۲۹۶ھ ۱۸۷۸ء) آپ غوث سیدو کی وفات کے ایک سال بعد پیدا ہوئے۔

سیادت | یہاں تاریخی فائدہ کے لئے ایک تاریخی نکتہ کی وضاحت ضروری ہے۔ میاں محمد عمر ابن ابراہیم ابن عبدالخالق عرف کلا خان اپنی پشتو منظوم تالیف توضیح المعانی مطبوعہ ص ۹ پر لکھتے ہیں کہ میں نسلاً افغان ہوں لیکن میرے جد امجد دریائے راوی پنجاب کے مغربی کنارے اور شاہراہ شیر شاہ سوری کے شمال میں موضع فرید آباد میں قیام پذیر تھے۔ اس شاہراہ اور فرید آباد کے درمیان ایک موضع سیداں والا ہے جہاں سید محمد گیسو درازالحسینی کی نسل کے سادات آباد ہیں۔ میرے جد امجد عبدالخالق عرف کلا خان (کلان خان) کی بیوی اس سیداں والہ کے سادات کی خاندان سے تھیں اور میرے والد اس سیدہ کے فرزند تھے۔ میاں صاحب فرماتے ہیں۔

زہ ہم سید یم دے نسبت سرہ د جدے
پلار چہ م پیدا شولو هورے له سیدے

(میرے والد ماجد وہاں فرید آباد میں ایک سیدہ خاتون کے ہاں تولد ہوئے۔ میں اس اپنی جدۂ محترمہ کی نسبت سے سید ہوں)

راقم الحروف اپنے مضامین میں حافظ محمد ادریس شہید طوروی کو سید لکھتا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے اس کی والدہ ماجدہ مولانا محمد اسرائیل گیلانی کی دختر تھیں اور حافظ محمد ادریس کے والد ماجد حافظ حاجی احمد شاہ کی والدہ ماجدہ مولانا محمد اسرائیل شہید کے عم محترم حافظ سعد اللہ کی دختر اور حافظ نقاب شاہ کی زوجہ تھیں۔ اسی نسبت سے راقم الحروف حافظ محمد ادریس شہید کو والدہ ماجدہ اور دادی اماں کی نسبت سے میاں محمد عمر چمکنی کے ارشاد کی روشنی میں سید کہتا اور سمجھتا ہے۔

سید حافظ محمد ادریس شہید ابن حافظ احمد ابن حافظ نقاب شاہ ابن سمیع اللہ عرف باجڑے بابا ابن حافظ انبیا گل ابن حافظ احمد ابن حافظ حاجی جمال الدین محمد ابن حافظ محمد صالح المعروف بہ صلاح الدین شلان خیل[1] کے جد امجد محمد صالح کا مزار مولانا محمد یونس گیلانی کے مزار سے مغرب کی طرف الگ تقریباً ایک سو قدم کے فاصلہ پہ ہے۔ راقم الحروف نے آپ کا سلام کیا ہے۔ شلان خیل موضع نوشہرہ کلاں کے تیسرے حصہ کے جائیداد اور املاک کے مالک ہیں۔ موضع طورو میں مولانا محمد صالح تشریف لائے۔

سید حفیظ اللہ | حضرت مولانا السید الشیخ عبد الجمیل مرحوم کے والد ماجد سلسلہ عالیہ قادریہ اور نقشبندیہ میں اپنے والد ماجد سید حافظ محمد معظم قدس سرہ العزیز کے خلیفہ اور ماذون تھے اور سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ میں مولانا السید الشیخ احمد الدین المعروف بہ ذکری میاں صاحب کے مرید اور خلیفہ تھے۔ اور سید حفیظ اللہ اور حضرت اخوند حافظ الشیخ عبد الغفور باباجی صاحب سوات کے درمیان خصوصی تعلقات تھے۔ حضرت باباجی صاحب سوات نے ۱۲۹۵ھ ۱۸۷۸ء میں وفات پائی۔ اور سید حفیظ اللہ نے ۱۳۰۷ھ ۱۸۸۹ء میں دونوں ہم عصر تھے۔ حضرت باباجی صاحب سوات کے ۱۲۰۷ھ ۱۷۹۲ء میں ولادت اور سید حفیظ اللہ مرحوم کے ۱۲۲۴ھ ۱۸۰۹ء میں ولادت سے دونوں کی عمر میں سترہ سال کا فرق ہے۔ جیسے سالہائے وفات میں تیرہ سال کا فرق ہے۔ مجھے یہ علم نہیں ہے کہ سید حفیظ اللہ رحمۃ اللہ کیا باباجی صاحب سوات کے مرید تھے یا پیر بھائی۔ البتہ یہ ثابت ہے کہ آپ ایک بہت بڑے صاحب نسبت بزرگ تھے اور راقم الحروف کے ذاتی مشاہدہ کے مطابق آپ پر سلسلہ چشتیہ صابریہ

---

[1] یہ نام شبلان ہے۔ ابراہیم ابن یوسف ابن ابوبکر ابن خداداد ابن عبد الغنی ابن حسن کی سکونت وادی کرم کے موضع شبلان میں تھی ابراہیم شبلانی کہلاتے تھے یہ نام مخفف ہو کر شلان پڑ گیا۔

کی نسبت غالب تھی۔

وضاحت | روحانی رابطہ صفحہ ۶۵ پر مجملاً اتنا ہی ذکر ہے کہ سید حفیظ اللہ کے سلسلہ عالیہ چشتیہ کے پیر طریقت کا اسم گرامی ذکری میاں صاحب تھا۔ اب اس موقع کی مناسبت سے چند ایک وضاحتیں پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت سید ذکری میاں صاحب کا نام سید حسن لقب احسن الدین اور عرف عام میں ذکری میاں کے نام سے مشہور تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ جو بھی آپ کی صحبت میں بیٹھ جاتا اور آپ اس پر توجہ کی نظر ڈالتے۔ بغیر کچھ کہے سنے سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ کے مطابق اس شخص کا ذکر قلبی اللہ ھو اس شدت سے جاری ہوتا کہ وہ تڑپ اٹھتا۔ اس قدر تیز توجہ بہت کم دیکھی گئی ہے۔

راقم الحروف نے مولانا السید الشیخ عبدالوہاب کے چار فرزند بیان کئے ہیں جب کہ وہ پانچ تھے۔ ان میں سے ایک کا نام سید عثمان تھا۔ اپنے والد عبدالوہاب سے سلسلہ چشتیہ صابریہ میں اور حضرت سید السادات آدم بنوری متوفی ۱۰۵۳ھ ۱۶۴۳ء سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں مجاز اور خلیفہ تھے۔ سید السادات آدم بنوری کے ایک خلیفہ سید محمد امین بدخشی مکی (جن کا سلسلہ نسب امام حسن عسکری سے جا ملتا ہے) نے اپنی تالیف نتائج الحرمین میں سید عثمان ابن مولانا عبدالوہاب کا ذکر کیا ہے۔

سید عثمان کے تین فرزند تھے۔ علی۔ یوسف۔ اور ابوبکر۔ ان میں سے علی کے تین فرزند تھے۔ طلب دین۔ سیف الدین اور صلاح الدین۔ سید علی ابن عثمان اور ان کے تینوں فرزند تحصیل و ضلع مردان علاقہ سدوم کے موضع حمزہ کوٹ میں آباد رہے۔ ان کے مزارات اسی موضع میں ہیں۔ ان میں سے سید صلاح الدین کے تین فرزند ہوئے حسین۔ احمد اور حسن میں سے حسین اور حسن طورو تشریف لائے۔ وجہ یہ کہ طورو کے گیلانی سادات سے ان کی قرابت اور رشتہ داری تھی۔

سید حافظ محمد ادریس شہید نے اپنے والد حافظ حاجی احمد شاہ کے مکان سے اٹھ کر اپنے لئے ایک نیا پختہ مکان بنایا۔ اس مکان کے شرقی دروازہ کے متصل ایک احاطہ میں سید حسین ابن صلاح الدین کا مزار ہے۔ اور سید حسن احسن الدین ذکری میاں صاحب جب فوت ہوئے تو ان کی وصیت کے مطابق ان کی نعش اکبرپورہ میں اپنے جد امجد کے مزار کے احاطہ میں دفن کئے گئے۔ آپ کا مزار اس احاطہ کے شمالی دیوار کے قریب ہے۔

تلمذ | اس لحاظ سے راقم الحروف مولانا سید اسماعیل مرحوم کا شاگرد ہے۔ سلسلہ تلمذ یوں بنتا ہے۔

عبدالحلیم عن محمد اسماعیل عن حفیظ اللہ عن احسن الدین ذکری عن صلاح الدین محمد عن علی عن عثمان ہو عن ابیہ عبدالوہاب وعن سید السادات آدم بنوری عن مجدد الف ثانی۔

اسی ترتیب سے مولانا السید الشیخ محمد انور شاہ کشمیری کا سلسلہ تلمذ یوں بنتا ہے۔

محمد انور شاہ عن عبدالجلیل عن حفیظ اللہ عن احسن الدین ذکری۔ عن صلاح الدین عن علی عن عثمان عن ابیہ عبدالوہاب

و عن سیداں دات آدم بنوری۔ سید السادات آدم بنوری کے چار فرزند تھے۔ غلام محمد۔ عیسیٰ۔ محسن اور اولیا۔ سید محمد یوسف بنوری مرحوم ابن سید محمد زکریا سید اولیا بن سید السادات آدم بنوری کی نسل سے ہیں۔ حضرت سید محمد انور شاہ کی تلمذ کی وجہ سے آپ بھی سید احسن الدین ذکری میاں صاحب کے سلسلہ تلامذہ میں آجاتے ہیں۔

اس پس منظر کی روشنی میں راقم الحروف کے برادر عزیز و ہمدرس مولانا عبدالحق بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور بھی حضرت سید عبدالجمیل گیلانی کے سلسلہ تلامذہ میں ہونے کی نسبت سے عبدالجمیل عن ابیہ سید حفیظ اللہ عن السید الشیخ حسن احسن الدین ذکری میاں چشتی صابری قادری نقشبندی کی صورت میں ذکری میاں صاحب کے سلسلہ تلامذہ میں آجاتے ہیں

> راقم الحروف عبدالحلیم اثر کے ایک مشفق دوست جو سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ سے منسلک اور صاحب کشف بھی ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ دارالعلوم حقانیہ کے جو انوار اور فیوضات ہیں۔ ان کا تعلق سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے انوار سے ہے۔

راقم الحروف کے مخدوم زادہ علامہ بحرالعلوم محمد امین خوگیانی کے ارشادات اور سائقہ ہی انہی کی توجہات عالیہ کی بدولت راقم الحروف کے ذاتی مشاہدہ جسے تصوف کی اصطلاح میں امر واقعہ کہتے ہیں۔ کی بات ہے۔ کہ حضرت الشیخ حفیظ اللہ قادری نقشبندی صابری کے مزار مبارک سے انوار پھوٹ رہے ہیں ایسے کہ چاروں طرف روشنی پھیلاتے رہتے ہیں۔ یہ علم کی روشنی ہے چاہے دیوبند اور ڈابھیل ہو اور چاہے کراچی۔ پشاور۔ مردان اور اکوڑہ خٹک کے دارالعلوم ہوں۔ ان کے تلامذہ جہاں کہیں بھی ہیں۔ ان نفوس قدسیہ کی برکت سے علم کا نور پھیلتا جا رہا ہے اس کی ضیاپاشیوں کا سلسلہ جاری ہے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے اساتذہ کرام صرف وہ نہیں ہیں جن سے ہم نے درساً علم حاصل کیا ہے بلکہ سلسلہ کے تمام اساتذہ میں سے ہر ایک عالم ہمارا استاد ہے اور یہ وہ جلیل القدر بزرگ تھے جن کی توجہ اور نظر سے دلوں کی دھڑکن اَللہ ھُو بن جاتی تھی اور دل و دماغ منور ہو جاتے تھے۔

راقم الحروف جب حضرت السید الشیخ احسن الدین ذکری میاں صاحب کے مزار مبارک پر زیارت کے لئے حاضر ہوتا ہے تو اسی طرح دو زانو ہو کر ادب سے بیٹھ جاتا ہے۔ جیسے اپنے استاد حضرت مولانا سید اسماعیل گیلانی کے سامنے ادب سے بیٹھتا تھا۔

یہ چند سطور میں نے اس لئے تحریر کی ہیں کہ مجلہ الحق اکوڑہ خٹک کے توسط سے علماء دیوبند اور ڈابھیل کے

باقی ص۵۵ پر

از ڈاکٹر سید مسعود احمد
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

حقیقی ترقی کے اسباب

— اور —

اسلام

یہاں ہمارا موضوع سائنس اور سائنسدانوں پر تنقید کرنا نہیں ہے ہم بھی اس اَن دیکھی تقلید کو حق بجانب سمجھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس اَن دیکھی تقلید میں سائنسی ترقی کی معراج مضمر ہے۔

ذرا غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ اَن دیکھی تقلید تو اس لئے ناگزیر تھی کیونکہ سائنسی تحقیقات (SCIENTIF RESCARCHES) کی گاڑی۔ ایٹم الیکٹران اور پروٹان کو مانے بغیر آگے نہیں بڑھ رہی تھی اور دوسری وجہ اس نظریہ کے قابلِ التفات سمجھنے کی یہ بھی تھی کہ ایک صاحب علم خصوصاً سائنس کو گہرائی سے جاننے والے شخص نے یہ نظریہ پیش کیا تھا اس لئے اس نظریہ کا حقیقت ہونا زیادہ قرین قیاس تھا۔

لہذا سائنسدان اس نظریہ کو قریب الحقیقت مان کر اور مجرد قیاس و اتفاق (CHANCE) کے کمزور استدلال[۵] (ملحد سائنسدانوں کے نزدیک قیاس و گمان کی کوئی اہمیت نہ ہونے کے باوجود) کو اہمیت دیتے ہوئے سائنسی تحقیقات پر عمل پیرا رہے۔ اور اسی لئے آج دنیائے سائنس اپنے ایٹمی اور نیوکلیائی دور (ATOMIC AND NUCLEARAGE) میں داخل ہو سکی ہے۔

اب ذرا سلسلۂ کلام کا رخ مذہب اسلام کی طرف موڑتے ہوئے عرض ہے کہ اگر حضرات انبیاء و رسل (PROPHET) فرمائیں کہ جنّت و دوزخ کا وجود ہے اور ان کے فرمان کو مندرجہ ذیل دلائل سے تقویت بہم پہنچے۔ مثلاً

۱. وہ فرمائیں کہ ہم نے جنت و دوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

---

۵ "کمزور استدلال" یہاں اس لئے استعمال کیا گیا ہے کیونکہ مجرد قیاس و گمان ایک غیر یقینی امر ہے اور غیر یقینی امر کی اہمیت کسی صاحبِ عقل سے پوشیدہ نہیں۔ جو ملحد سائنسدان مذہب کی بنیادوں اور ان حقائق کو مجرد قیاس و گمان کی بھول بھلیاں بتا کر مذہب کی طعنہ زنی کرتے ہیں وہ بھی ذرا غور فرمائیں۔

٢۔ وہ یہ دعویٰ بھی کریں کہ ہمارے پاس وہ علم ہے جو تمہارے پاس نہیں۔
٣۔ وہ معجزات کے ذریعہ اپنے علوم الٰہیہ اور پیشین گوئیوں کے ذریعہ اپنی غیر معمولی بصارت و بصیرت کا لوہا منوالیں۔
٤۔ وہ اپنے فرمان کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے اپنا بے داغ کردار اور اپنی ناقابل تردید صدق کلامی کو دنیا کے سامنے پیش کریں۔
٥۔ ان سب دلائل پر مستزاد یہ کہ ان حقائق کو ماننے والے سب سے بڑے گروہ بذات خود ہی ہوں۔

اب ذرا ان دلائل کو غور فرمایئے اور ایک انگریز مصنف اے۔ ای مینڈر R. E. MANDER کے مطابق حقیقت کی کسوٹی کے بارے میں اس کی کتاب "واضح نقطۂ نظر" (CLEARER THINKING) سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے وہ رقم طراز ہے۔

"جو حقیقتیں ہم کو براہِ راست حواس کے ذریعہ معلوم ہوں وہ محسوس حقائق (PERCEIVED FACTS) ہیں مگر جن حقیقتوں کو ہم جان سکتے ہیں وہ صرف انہیں محسوس حقائق تک محدود نہیں ہیں ان کے علاوہ اور بہت سے حقائق ہیں جن کا علم اگرچہ ہم براہِ راست حاصل نہیں کر سکتے پھر بھی ہم ان کے بارے میں جان سکتے ہیں اس علم کا ذریعہ استنباط (INFERENCE AND REASONING) ہے اس طرح جو حقائق معلوم ہوں ان کو استنباطی حقائق (INFERRED FACTS) کہا جا سکتا ہے یہاں یہ بات خاص طور سے سمجھ لینے کی ہے کہ دونوں میں اصل فرق حقیقت ہونے کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ ایک صورت میں ہم اس کو جانتے ہیں اور دوسری صورت میں اس کے بارے میں معلوم کرتے ہیں۔ حقیقت بہر حال حقیقت ہے خواہ ہم اس کو براہِ راست مشاہدہ سے جانیں یا بہ طریق استنباط معلوم کریں۔"

اگر اس بحث کا دوسرے پہلو سے تجزیہ کریں تو اسلام اور سائنس دوسرے طریق استدلال سے بھی ایک پلیٹ فارم ہی پر نظر آتے ہیں۔ وہ یہ کہ سائنس کا طریق استدلال تجرباتی ہوتا ہے اور کسی سائنسی نظریہ کی حقانیت کی کسوٹی اس نظریہ سے متعلق سائنسی تجربات کا ایک جیسا نتیجہ برآمد ہوتا ہے اور یہ کہ ان تمام تجربات کے نتائج اس نظریہ میں فٹ بیٹھتے ہیں یعنی ہم آہنگ ہیں یہ عملی استدلال اور تجرباتیت (PRACTICABILITY AND COHERENCE IN EXPERIEMENT AND THEORY) ہی اس کی دلیل میں وزن پیدا کرتے ہیں۔

اسلام بھی پیغمبر اسلام کی شکل میں ایک عملی نمونہ پیش کرتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان حقائق غیبیہ کا علم قرآن و حدیث کی عقلی و وجدانی اپیل کے ذریعہ لوگوں تک پہنچایا۔ نیز ان نظریات و قوانین کی عملیت اپنی عملی زندگی سے ثابت کردی۔ یہاں وہ وضاحت مناسب رہے گی کہ یہ زندہ نمونہ ———

(LIVING MODEL AND SYMBOL) عملی تحریک پیدا کرنے میں تجرباتی ثبوت (EXPERIMENTAL PROOF) ہی کے متوازی و ہم وزن ہوتا ہے۔

مزید برآں اسلامی حقائق و قوانین کی عملیت اور تجرباتیت اس تاریخی ثبوت سے واضح ہوتی ہے کہ ماضی میں جب بھی اسلام کے ان بنیادی عقائد کے ساتھ اس کے اصولوں کو عملی شکل دی گئی۔ تو اس کے ایک جیسے اور مثبت اثرات ہی مرتب ہوئے۔

لیکن تب بھی ان حقائق پر آمنّا و صدقنا کہنے والے اندھے مقلّد کے طنزیہ خطاب سے نوازے جائیں اور ہمارے معترضین کو یہی اصرار ہو کہ جنّت و دوزخ اور خدا کے وجود کو ماننے کے لئے کوئی سائنٹیفک ثبوت دیا جانا چاہئے۔

ضدّی، ہٹ دھرم اور متعصبانہ ذہنیت والوں کو تو ہمارا سلام ہے۔ البتہ حق تو یہ ہے کہ سائنس کا دائرہ کار مذہب سے مختلف ہے اس لئے ان دونوں کے حقائق کی کسوٹیاں بھی الگ ہی ہونا چاہئیں۔ بفرض محال اگر سائنٹیفک دلیل ضروری ہی ہے تو جدید و قدیم سائنس بذات خود بھی کہاں بچ سکتی ہے۔ نیز یہ امر بھی خصوصاً وضاحت طلب ہے کہ سائنٹی فک دلیل سے ان کی کیا مراد ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ ہر علم (چاہے وہ سائنس ہو یا دوسرے علوم) کی گہرائی تک پہنچنے کے لئے غیر مشاہداتی حقائق (غیب) کو بغیر دیکھے تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ ایمان بالغیب وہ بنیاد فراہم کرتا ہے جس سے وہ "مومن" ترقیوں کی معراج کی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ ورنہ ترقی کے یہ آخری زینے طے کرنا انسان کے لئے محال ہو جاتے ہیں۔ یہ حقیقت ایک تاریخی مثال سے سمجھ میں آجائے گی کہ امریکہ نے دوسری جنگ عظیم کے موقع پر اگست ۱۹۴۵ء میں جاپان کے دو بڑے شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرا کر اپنی سائنسی ترقی اور طاقت کا لوہا منوا لیا۔ قطع نظر اس سے کہ امریکہ نے اس خداداد ایٹمی طاقت کو پُرامن مقاصد میں استعمال کرنے کے بجائے انسانوں کی خون ریزی اور انسانیت کی تباہی کے لئے استعمال کیا جس کی واحد وجہ یہ تھی کہ وہاں مادی ترقی کے ساتھ اس معیار کی روحانی و اخلاقی ترقی تو کجا اس میں اخلاقی تنزل و انحطاط ہی رونما ہوا اور اس مادی و روحانی ترقی میں عدم توازن کا نتیجہ انسانیت کی تباہی کی شکل میں ظاہر ہوا۔

بہرحال اگر امریکہ کے سائنسدان ڈالٹن کے ایٹمی نظریہ اور ایٹم کے خیالی ڈھانچہ کو نہ مانتے اور اسی امر پر مصر رہتے کہ جب تک ہم ایٹم نہیں دیکھ لیں گے اس وقت تک اس میدان میں تحقیق و ترقی بیکار ہے تو امریکہ کسی حالت میں بھی نہیں بنا سکتا تھا۔ اور اس ایٹم بم کے بغیر امریکہ (معہ اتحادی روس) اپنی شکست کو فتح میں تبدیل کرنے میں ہرگز کامیاب نہ ہوتا۔ یہ تھا اس ایمان بالغیب کا ایک حقیر مگر مثبت ثمرہ جو امریکہ کی مادی ترقی کی شکل میں نمودار ہوا۔

سکونِ قلب اور ارتقاء انسانی | موضوع پر سیر حاصل بحث کے بعد یورپ و امریکہ اور اشتراکی ممالک کی مسحور

کن ترقی کے بارے میں بھی غور کریں جن کی ترقی کے بلند بانگ دعووں کی بازگشت سے ایوان مذاہب کانپ اٹھتے ہیں۔ تہذیب جدید کے متوالوں اور الحاد و مادہ پرستی کے علمبرداروں کا مذہب کے خلاف سب سے بڑا حربہ یہی ہے کہ مذہب کے بغیر ان ممالک کی اتنی بڑی ترقی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ دور جدید میں ارتقاء انسانی کے لئے مذہب کی ضرورت نہیں۔

حقیقت میں ان ممالک کی مسحور کن ترقی صرف ان کے سائنسی ارتقا کی نشان دہی کرتی ہے جس کا واحد سبب سائنس و ٹیکنالوجی کے لئے خاطر خواہ آسانیاں اور سہولتیں بہم پہنچانا ہیں۔ اگر آج کے انسانی اذہان اور دنیوی معلومات سے سائنسی علوم و انکشافات نکال دئے جائیں تو ان ممالک کے حصہ میں اخلاقی و روحانی پہلوؤں سے ذہنی انتشار و ہیجان خودکشی و جرائم کی کثرت، باہمی منافرت و عداوت کے سوا کچھ نہیں آتا۔

اس انداز سے غور کرنے پر اس حقیقت سے انکار محال ہے کہ ظاہری ترقی کے یہ دلفریب دعوے اور سبز باغ کسی مادی نظریہ کے مرہون منت نہیں۔ سوائے اس کے کہ ان نظریات کے حامیوں نے سائنسی تحقیقات کو اولیت دے دی ہے جب کہ اخلاقی و روحانی ترقی کی جگہ نفرت و نخوت۔ حسد و کینہ۔ باہمی بے تعلقی و خود غرضی مایوسی و پریشانی، ذہنی انتشار و جنسی بے راہ روی۔ جرائم کی کثرت و خودکشی کی زیادتی۔ استحصال بے جا اور بدعنوانی جیسے اخلاقی جرائم اور روحانی دیوالیہ پن، ان نظریات حیات کی دین ہے۔ ہم نے اپنے تجربے سے ثابت کر دیا ہے کہ سائنسی ترقی کے داعی اول آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ یہ قرآن ہی کی دعوت تحقیق و تفکر ہے جس نے سائنس کو آج ارتقا کے ان منازل تک پہنچانے کی تحریک بخشی ہے۔ نیز دور وسط کے مسلمانوں ہی کے سائنسی علوم اور کاوشوں کے طفیل دور جدید، دور سائنس کے نام سے موسوم ہونے کے قابل ہو سکا ہے۔ لہذا ان مادی نظریات کی کون سی ایسی خوبی ہے جو اسلام میں نہیں جب کہ اسلام مادی ترقی ہی کو تحریک نہیں بخشتا بلکہ روحانی و اخلاقی ترقی کا بھی علمبردار ہے۔

تہذیب جدید کی بنیاد دین الحاد پر اور عمارت مادی نظریات پر کھڑی ہیں جب کہ اس عمارت کو حسن و جلا مادی سائنس نے بخشی ہے لیکن اس عمارت کی ناپائیداری اور کھوکھلے پن کی عکاسی بلیک (BLAKE) کے الفاظ میں یہ ہے

(A MARK IN EVERY FACE I MEET MARKS OF WEAKNESS OF WOE)[1] ہر چہرے پر کمزوری (مایوسی) اور دشمنی (نفرت) کی علامات مجھے ملتی ہیں۔ مزید برآں برٹرینڈ رسل (RUSSEL) بھی عدم سکون قلب کا اعتراف اس انداز میں کرتا ہے کہ "ہماری دنیا کے جانور خوش ہیں۔ انسان کو

---

[1] CONQUEST OF HAPPINESS ص 110

بھی خوش ہونا چاہیئے۔ مگر جدید دنیا میں انہیں یہ نعمت حاصل نہیں۔"

آج ہمارے "ترقی پسند" حضرات، ان ممالک کی مادی ترقی کے مختلف پہلوؤں پر تو طویل لیکچرز دیتے ہیں مگر ان کی اخلاقی حیثیت اور روحانی تنزل کے لئے کوئی آہ ان کی زبان سے نہیں نکلتی۔ بیشک مادی ترقی بھی دنیا کے لئے ناگزیر ہے مگر دنیائے انسانیت کے لئے آج اخلاقی اور روحانی ارتقاء کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے۔

ابھی چند ماہ قبل ہماری طویل گفتگو ایک ملحد ترقی پسند نوجوان سے ہوئی جو مارکسی نظریہ کے حامی تھے۔ ان کا معاملہ یہ تھا کہ گویا انہوں نے قسم کھالی ہو کہ ہماری بات کو تسلیم نہیں کریں گے۔ اس لئے جہاں ان کو جواب نہ بن پڑتا اور اپنے خیالات کی کمزوری محسوس ہوتی وہ موضوعِ بحث کو بدل دیتے آخر کار ہم نے مزید الجھنا مناسب نہ سمجھا اور اسلام کے ایک پہلو کی دعوت غور و فکر دی کہ حضرت! ڈھائی تین گھنٹوں کی اس طویل بحث کے بعد کم از کم اتنا تو آپ نہیں سمجھ سکتے کہ آپ نے اپنے خیالات سے ہم کو متفق (CONVINCE) کر دیا اور ہمارا مقصد بھی اپنے خیالات کو جبراً منوانا نہیں تھا۔ مگر آخر میں ایک عرض ہے کہ اگر اس بحث کے نتیجہ کا گہرائی سے تجزیہ کریں تو ہم اور آپ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آپ خدا کے وجود اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔ لہٰذا آپ کے پیشِ نظر صرف ظاہری اور دنیوی فائدہ ہوگا اور وہ آپ کو اس وقت کسی طرح بھی حاصل نہیں ہوا بلکہ ان تین گھنٹوں کا ذہنی و مادی نتیجہ (OUTPUT) صفر رہا۔ آپ کو کوئی نتیجہ اور فائدہ حاصل نہ ہونے کا قلق ذہنی انتشار کا باعث ہوگا۔ اور آج رات کی اس طویل بحث کے بارے آپ کو نیند بھی آسانی سے نہیں آئے گی۔ جب کہ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے سمیع و علیم ہونے کا یقین ہے۔ اسلام کی رو سے ہمارا مقصد صرف حق کو پہنچانا ہے نہ کہ اس کو منوانا۔ اور اسی تبلیغ پر ہم کو ثواب آخرت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ لہٰذا ہمارا یقین ہے کہ اس تبلیغ حق کا اجر جنّت کی لازوال نعمتوں کی شکل میں ملے گا مزید برآں اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی ہمارا مقصد زندگی ہے۔ یہی ثواب آخرت اور اپنے محبوب حقیقی (اللہ تعالیٰ) کی رضا جوئی کی طلب ہمارے لئے باعثِ طمانیت اور باعثِ سکون قلب ہے۔ آج ہم کو گہری نیند آئے گی کیونکہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا زیادہ کام کیا ہے۔

اس بات کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا جو یقیناً اعترافِ حقیقت تھا۔ مذہب کا یہ مثبت پہلو بھی ہے ناقابلِ تردید بھی۔

آج انسان حقیقی اور پائیدار سکونِ قلب کا متلاشی ہے مگر تہذیب جدید کے پاس اس کا کوئی کارگر نسخہ نہیں۔ کاش یہ ترقی پسند حضرات عقل سے کام لے کر غور و فکر کرتے کہ ذہنی انتشار، انسان کی یکسوئی میں مزاحم

رہتا ہے اور اس کی فکری و مادی ارتقاء میں رکاوٹ کا سبب بنتا ہے۔ بیشک آج کی تہذیب نے مادی ارتقاء میں ایک نیا مقام پیدا کیا ہے۔ مگر یہ بھی ایک حقیقت میرہن ہی ہے کہ ذہنی انتشار، مایوسی اور عدم سکون قلب انسان کی مادی ارتقاء کی راہ کا بھی روڑا ہے۔

اس بحث سے واضح ہو جاتا ہے کہ اگر تہذیب جدید عقیدۂ خدا اور عقیدۂ آخرت پر یقین رکھتی تو وہ مادی وفکری ارتقا کی منازل میں "بھی" آج سے کہیں آگے ہوتی۔

خلاصۂ کلام:۔ حقیقی ترقی کے ناقابل تردید جامع معانی اور وسیع مفہوم کی روشنی میں موجودہ مادی نظریات حیات اور مذاہب عالم کا تجزیہ کرنے پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حقیقی ترقی کے حصول کے لئے بہترین ومتوازی اصول جو فطرت انسانی سے (عقلی و وجدانی طور پر) پوری طرح ہم آہنگ ہوں۔ اسلام کے سوا کہیں نہیں ملتے۔ کیونکہ ان اصولوں میں چند ممتاز و نمایاں پہلو یہ ہونے چاہئیں کہ

وہ جامع بھی ہوں اور کامل بھی — نیز عملی طور پر انسانی فطرت وصلاحیت سے تجاوز کرنے والے یعنی ناقابل برداشت بھی نہ ہوں۔ مزید برآں ان اصولوں کے حاملوں نے دنیائے تاریخ میں ایک زریں باب کا اضافہ بھی کیا ہو۔ اور زریں باب ترقی کے کسی خاص شعبہ ہی کا مرہون منت نہ ہو بلکہ اخلاقی و روحانی۔ مادی وفکری۔ سیاسی واقتصادی۔ انفرادی واجتماعی جملہ شعبات ترقی پر حاوی ہو۔

یہ حقیقت ہے کہ ان تمام خصوصیات کے ساتھ کوئی بھی مادی نظریۂ حیات یا مذہب اسلام کے سامنے ٹک نہیں سکتا اور نہ ہی حقیقی ترقی کی ضمانت دے سکتا ہے۔

اسلام ہی وہ واحد نظام حیات ہے جس کا مقصد واحد انسانی وجود کا ہمہ جہتی اور مثالی ارتقاء ہے اسی لئے اس نے حصولِ تقویٰ پر زور دیا ہے۔ اور تقویٰ درحقیقت انسان کے ان منفی رجحانات ومیلانات کے خلاف حفاظت (PROTECTION) سے عبارت ہے جو نفسِ انسانی، فطرتِ انسانی بلکہ کلی وجود انسانی سے برسرپیکار رہ کر اس کی بقا وترقی میں مزاحم رہتے ہیں۔

اسلام میں گناہ وثواب کا فلسفہ یہی ہے کہ وہ ہر فعل وخیال جو فطرتِ انسانی سے متصادم ہو کر اس کی پائیدار وہمہ جہتی ترقی میں مستقبل قریب یا مستقبل بعید میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا کرے۔ اسلام کی رُو "گناہ" ہے۔ اس کے خلاف فطرت انسانی کے لئے موزوں اور اس کی ہمہ جہتی بقا وترقی کی ضمانت دینے والا ہر خیال وفعل باعثِ ثواب یا "عین ثواب" ہے۔ یعنی ان منفی ومثبت افعال کا نتیجہ ہی عذاب وثواب ہے جن کا ظہور بہر حال ہر صاحب عقل کے نزدیک قابلِ فہم ہے اور مشاہدہ وتجربہ سے ثابت شدہ امر ہے۔

ضرورت ہے

پاکستانی شہریت کے حامل امیدواروں سے آڈیٹرز (گریڈ ۷) جس کا اسکیل
۳۳۵-۱۴-۴۴۷/۱۶-۵۷۵-۱۸-۶۶۵ بمعہ چار (۴) پیشگی ترقیاں
بشرطِ گریجویٹ ہو۔ درخواستیں مطلوب ہیں۔ کم از کم تعلیمی قابلیت انٹر
(II ڈویژن) ہونی چاہیے۔ بی کام کو ترجیح دی جائے گی۔ زیادہ سے زیادہ عمر
۲۵ سال ہونی چاہیے۔ جب کہ مرکز کے زیر انتظام قبائلی علاقہ جات کے امیدواروں
کو ۳ سال کی رعایت دی جائے گی۔

درخواستیں بمعہ تصدیق شدہ تعلیمی اسناد۔ ڈومیسائل۔ شناختی کارڈ کی فوٹو
کاپی اور دو عدد پاسپورٹ سائز تصاویر کے ہمراہ مورخہ ۱۵ مارچ ۱۹۸۳ تک
ڈائریکٹر بجٹ اینڈ اکاؤنٹس پاکستان پی ڈبلیو ڈی ایف/۸ (المرکز) اسلام آباد
ارسال کریں۔ سرکاری ملازمین محکمانہ توسط سے درخواست ارسال کریں۔ انٹرویو/
ٹسٹ کے لئے طلب کئے جانے والے ٹی اے/ڈی اے کے حق دار نہ ہوں گے

جائنٹ ایڈمنسٹریٹو آفیسر
پی پی ڈبلیو ڈی۔ اسلام آباد

از مولانا حامد الانصاری غازی صاحب

اور

حفظ حدیث

اس دور کے تمام اساتذۂ حدیث اس پر متفق ہیں کہ حضرت امام العصر علامہ سید انور شاہ کشمیری اپنی اصطلاحی اور حقیقی معنی میں حافظ الحدیث تھے اور پورے عالم اسلام میں کوئی دوسرا عالم ان کا ہم پلہ نہ تھا۔

حافظ الحدیث ایک چھوٹا سا لفظ ہے جسے زبان بڑی آسانی سے ادا کر سکتی ہے۔ لیکن جب ہم تذکرۃ الحفاظ میں حفاظ حدیث کے دشوار گذار اسفار، ان کے علمی مطالعات اور حفظ حدیث میں ان کے کمالات پڑھتے ہیں اور اسلاف حدیث کے کارناموں کا جائزہ لیتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے۔ حافظ الحدیث کا لفظ زبان سے کہنا آسان ہے لیکن اس کے معنی اور مفہوم کی تلاش دشوار ہے۔

علامہ انور شاہ معنی، مفہوم اور حقیقت ہر اعتبار سے حافظ الحدیث تھے۔ علامہ مرحوم کے درجہ اعتبار کی بلندی کو جاننے کے لئے عہد سلف کے حفاظ حدیث کا مختصر تذکرہ ضروری ہے۔

حضرت امام احمد حنبل حدیث اور حفظ حدیث میں جن مدارج پر فائز ہیں ان کے استاد یحییٰ ابن معین کا مرتبہ ان سے بڑا ہونا چاہئے مگر یحییٰ اپنے شاگرد کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں احمد بن حنبل کے مانند ہو جاؤں قسم ہے اپنے رب کی میں ان کے مرتبے کو نہیں پا سکتا۔ امام شعبہ حافظ الحدیث ہیں مگر فرماتے ہیں کہ

سفیان احفظ منی (حفظ حدیث میں مجھ سے بڑھے ہیں)

صاحب صحاح امام ابو عیسیٰ ترمذی مؤلف جامع ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شیخ کے دو جزء لکھے تھے حاضری کے وقت پہنچا تو بھول گیا۔ تو شیخ نے میری درخواست پر دونوں جزو سنائے میں نے سن کر حفظ کر لئے اور اسی وقت سنا دئے۔ اس کے بعد شیخ بطور امتحان کئی احادیث پڑھتے چلے گئے اور میں اسی وقت توجہ سے یاد کر لیتا اور سناتا جاتا۔ حافظہ کی برکت اور مشق سے میں نے چالیس حدیثیں سن کر اسی وقت سنا دیں۔ غور سے سننا اور حفظ

ہو جانا ان کے لئے معمول تھا۔ داؤد ابن سمعہ کہتے ہیں کہ ابو حاتم رازی اور ابو زرعہ کا نام حفظ میں ضرب المثل تھا۔
امام ابوسعد کو ساری صحیح مسلم یاد تھی۔ حافظ ابوالحسین النعمانی کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور امام تقی الدین بعلبکی کو الجمع بین الصحیحین صحیح مسلم اور مسند امام احمد بر زبان تھی۔ امام نقی ایک مجلس میں ستر حدیثیں یاد کر لیتے تھے
امام داؤد ظاہری نے ایک شخص یعقوب بصری کو خستہ حالت میں اپنی مجلس میں دیکھا۔ دیکھ کر حقارت پیدا ہوئی۔ یعقوب نے کہا سل یا فتیٰ عما بدالك اے جوان جو دل میں آئے پوچھ۔ امام داؤد نے حجامت پچھنوں کے متعلق پوچھا تو اس نے حدیث افطر الحاجم روایت کر کے بیان کیا کہ کس نے اسے مسند اور کس نے موقوف اور کس نے مرسل بیان کیا ہے۔ اس باب کی تمام احادیث ان کی طرق اور اصول طرق اور اصول حدیث بیان کر دئے کہ سب حیرت میں رہ گئے۔ خود ہمارے علامہ مجدالدین فیروزآبادی صاحب قاموس ہر شب میں ستر حدیثیں یاد کرتے اور پھر سوتے۔
حافظ ابن فرات بغدادی نے کتابوں کے ۱۸ صندوق چھوڑے۔
شیخ ابن الجوزی نے اپنی انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھیں۔
موطا کے ناقل امام یحییٰ ابن معین نے اپنے ہاتھ سے چھ لاکھ حدیثیں لکھیں علی بن الحسین اور حضرت عبداللہ بن مبارک صرف ایک حدیث کے حقائق پہ صبح کی نماز تک بات کرتے رہے۔ حافظ حدیث حمیدی بغداد میں حفظ حدیث کے لئے ساری رات جاگتے۔ امام ابو عبید بن سلام نے اپنی کتاب غریب الحدیث کی تصنیف اور تحقیق میں دن رات چالیس سال صرف کر دئے۔ بلاشبہ اس عصر کے وہ تمام علما، شیوخ اور اساتذہ حدیث جنہوں نے قرآن و حدیث کی خدمت میں جلیل القدر خدمات انجام دی ہیں ہمارے محسن اور خراج تحسین کے مستحق ہیں لیکن تسلیم کرنا چاہیئے کہ حفاظ حدیث کے تاریخی پس منظر میں صدیوں کے خلا کے بعد علامہ سید انور شاہ کا نام نامی ہمیں تاریخ کے افق پر جہاں نظر آتا ہے وہ سب سے الگ ہے اور وہ اسی معنی میں حافظ الحدیث تھے جس معنی میں ہمارے اسلاف علما، حدیث تھے۔
میں صدیوں کے اس خلا کو ذکر کرنے میں تنہا نہیں ہوں۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال نے لاہور کے جلسہ تعزیت ۱۹۳۳ء میں فرمایا تھا:-

"اسلام کی پانچ سو سال کی تاریخ علامہ انور شاہ کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔"

(مقدمہ انوارالباری حصہ دوم ص ۲۴۵)

صحیح مسلم کے میرے استاذ اپنے عصر کے جلیل القدر عالم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کا قول تھا کہ

"اس عہد کے تمام اساتذہ درس حدیث میں علامہ انور شاہ کی اولاد کی مانند ہیں۔"

وہ انہیں حافظ ابن حجر عسقلانی۔ علامہ عینی، شیخ تقی الدین اور سلطان العلماء کا نمونہ قرار دیتے تھے۔
ندوۃ العلماء کے شیخ ابوالحسن علی کے خیال میں انہوں نے دو فنا فی العلم دیکھے ہیں۔ ایک علامہ انور شاہ، دوسرے علامہ سلیمان ندوی۔

یہی علامہ سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ:۔
"علامہ انور شاہ ایک خاموش سمندر کی مانند ہیں جن کا سینہ انمول موتیوں سے بھرا ہوا ہے"
عرب و پاک و ہند کے جلیل القدر علماء کی اس قسم کی آراء کی یہی حقیقت ہے کہ علامہ انور شاہ نہ صرف حافظ الحدیث تھے بلکہ حافظ العلوم تھے اور حافظہ کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھے۔
علامہ انور شاہ کشمیری نے جو ایک مرتبہ کتاب دیکھ کر حفظ کے عادی تھے صحیح بخاری کو تیرہ مرتبہ ایک ایک لفظ پر غور کر کے مطالعہ کیا۔ گویا صحیح بخاری اپنی طرق حدیث، الفاظ، ابواب، رواۃ اور اقسام حدیث کے ساتھ حفظ تھی۔ درس میں ہر ہر حدیث کی شرح کا حق ادا فرماتے اور یہ ان کا حق تھا کیونکہ صحیح بخاری کی چھوٹی بڑی تیس شرحوں کا اور کتب حدیث کی دو سو شرحوں کا مطالعہ کیا تھا جو حافظ کے بیت المال میں سرمایہ محفوظ کی حیثیت سے جمع تھا۔
صحیح بخاری کے علاوہ حدیث کی اہم کتابیں یاد تھیں جو علامہ مرحوم کے بے پناہ حافظہ پر شاہد تھیں خود ان کے لاتعداد شاگرد آج بھی موجود ہیں جو اس بے مثال حافظے کے گواہ ہیں۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے علامہ کشمیری کا یہ مقولہ نقل کیا ہے "میں کسی کتاب کا سرسری مطالعہ کرتا ہوں تو پندرہ بیس سال تک اس کے مضامین محفوظ رہتے ہیں"

مولانا مناظر احسن گیلانی کہتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب کا حافظہ اتنا قوی تھا کہ لاکھوں میں شاید کسی کا ہو۔
مطالعہ کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ مسند احمد بن حنبل کی ضخیم جلدوں کا مطالعہ چند روز میں مکمل کر لیا۔ ابن ہمام کی فتح القدیر کا مطالعہ جو آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے ۲۰ روز میں مکمل کیا۔ پھر کتاب الحج تک اس کی تلخیص فرمائی اور ابن ہمام کے مطالعات پر اپنی مطالعات کا اضافہ بھی فرمایا۔
بلاشبہ علامہ کشمیری اپنے بے مثال تبحر علمی، بے نظیر قوت حافظہ اور کثرت مطالعہ کے اعتبار سے ہمارے مقدس اسلاف کا نمونہ تھے وہ قدیم و جدید علوم کی آخری سرحدوں تک پہنچے، وہ ہمارے لئے علوم و فنون کا ناپید اکنار سمندر تھے۔ وہ عرفان ذات کے مقام سے انفس و آفاق کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہوں نے روحانیت کی کسوٹی پر معقول اور منقول کو پرکھا علم و یقین کے دروازے پر دستک دی جس کی ہلکی سی ضرب نے صدیوں کے بند دروازوں کو کھول دیا اور طلبہ کی فوج کو مدینۃ العلم میں نئے سرے سے داخل ہونے کا حوصلہ اور موقع دیا۔

بلند ہمّت
جوانوں کی پسند
اُجالا ڈینِم
اور
صَدف شرٹنگ
مضبوط و دیرپا اُجالا واش اینڈ ویئر ڈینم
خوشنما رنگوں میں لیجیے
صَدف شرٹنگ بہت سے نئے رنگوں میں
دستیاب ہے
زندہ دل جوانوں کا ذوقِ زیبائش
آج جنکے دم سے رونق اور چہل پہل ہے
MADE OF
Toray
TETORON
POLYESTER FIBER
محمد فاروق ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ

کے

علمی اور دینی مکتوبات

مرتبہ و مترجمہ
مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

ترجمہ اُردو مکتوب ۱۳۱

مولانا شیخ عمر پشاوریؒ کے نام

بر رائے مہر انجلائے قدوۃ الانام، مربی السالکین مولانا الشیخ عمر — اللہ تعالیٰ ان کی بقا اور سلامتی سے مسلمانوں کو نفع مند کرے۔

فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی طرف سے سلام محبت التیام پیش کرنے کے بعد واضح ہو کہ جب آں عظیم القدر کے (یعنی آپ کے) اوصافِ حمیدہ اور کمالاتِ ظاہری و باطنی اس فقیر نے بار بار سنے تو دل کو ایک قسم کا انجذاب اور خاطر کو ایک قسم کی کشش آپ کی جانب حاصل ہوئی۔

" کان کبھی کبھی آنکھ سے پہلے عشق و محبت والے ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا فقیر نے چاہا کہ اس حدیث پر عمل کرے۔

یعنی "جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے محبت کرے پس چاہئے کہ وہ اپنے بھائی کو اس محبت کی اطلاع کر دے"

اور فقیر نے چاہا کہ مکاتبت کا طریقہ جو کہ 'نصف ملاقات' ہے اختیار کرے۔ اس بات میں شک نہیں ہے کہ دو روحوں کا اجتماع مبدانِ وجودِ خارجی میں بعض اوصاف و خصائل میں اشتراک کے ساتھ زیادہ مؤثر ہے بہ مقابلہ اس اجتماع حسی کے جو اوصاف میں اختلاف کے ساتھ ہو۔

حدیث شریف میں ہے کہ روحیں لشکر ہیں۔ پس ان روحوں میں سے جن روحوں کا آپس میں عالم ارواح میں تعارف ہو گیا تو ان میں دنیا میں بھی محبت پیدا ہو گئی۔ اور جو عالم ارواح میں تناکر رہا یعنی آپس میں جان پہچان نہ ہوئی تو دنیا

میں بھی اختلاف ہوا۔

کسی شاعر نے کہا ہے ؎

ترجمہ۔ آشنائی اور دوستی کے لیے مصاحبت کی کیا ضرورت ہے ابھی تک یمن کی ہوا نکہت عربی میں محو ہے "

امید ہے کہ آپ اپنے معارف خاصہ میں سے جو کہ خزانہ رحمت کی تقسیموں میں سے آپ کو نصیب ہوتے ہیں کچھ معارف گنجائش وقت اور اقتضاء حال کے بقدر تحریر فرمائیں گے تاکہ ان معارف سے محبت روحانی کے حق کی ادائیگی ہوسکے۔ والسلام

مکتوب بجانب مولانا شیخ عمر پشاوری

بر رائے مہر انجلائے قدوۃ الانام مربی السالکین مولانا الشیخ عمر متع اللہ المسلمین ببقائہ

از فقیر ولی اللہ عفی عنہ بعد رفع سلام محبت التیام واضح آنکہ چوں اوصاف حمیدہ و کمالات ظاہر و باطن آں عظیم القدر مرۃً بعد اُخری ایں فقیر را استماع افتاد، دل را انجذابے و خاطر را کششے بآں جانب حاصل شد۔ ع

والاذن تعشق قبل العین احیاناً

خواست کہ بحدیث شریف:-

اِذَا اَحَبَّ اَحَدُکُمْ اَخَاهُ فَلْیُعْلِمْهُ اِیَّاهُ امتثال نماید و طریقہ مکاتبۃ کہ نصف الملاقات است مسلوک دارد۔ شک نیست کہ اجتماع دو روح در عرصہ وجود خارجی باشتراک در بعضے اوصاف مؤثر تر خواہد بود از اجتماع جسمی با اختلاف دراں اوصاف ـــ فی الحدیث الشریف:

اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا اِئْتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ

شاعرے گفتہ ؎

مصاحبت چہ ضرور است آشنائی را

ہنوز باد یمن محو نکہت عربیست

توقع کہ از معارف خاصہ کہ در تقاسیم رحمت، نصیب ایشاں گشتہ چیزے بقدر اتساع وقت و اقتضاء حال بنویسند کہ قضائے حق وداد روحانی ہماں تواند بود والسلام

مضمون نگار حضرات سے التماس ہے کہ مضامین صاف اور خوشخط کاغذ کے ایک طرف روشنائی سے تحریر فرمائیں۔ شکریہ

مطبوعاتِ مؤتمر المصنّفین

دعواتِ حق
جلد اوّل

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے خطبات اور ارشادات کا عظیم الشان مجموعہ دین و شریعت اخلاق و معاشرت علم و عمل. عروج و زوال. نبوت و رسالت. شریعت و طریقت. ہر پہلو پر حاوی کتاب صفحات ۶۷۵ ، بہترین ڈائی دار جلد، قیمت -/۴۵ روپے ——— جلد دوم -/۴۰ روپے

قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ

قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کے دینی و ملّی مسائل پر قراردادیں، مباحث، تقاریر اور قراردادوں پر ارکان کا ردِعمل، آئین کو اسلامی اور جمہوری بنانے کی جدوجہد کی مدلّل اور مستند داستان، ایک سیاسی و آئینی دستاویز، ایک اعمالنامہ جس سے وکلاء سیاستدان، علماء اور سیاسی جماعتیں بے نیاز نہیں ہو سکتیں، صفحات ۴۰۰ ، قیمت پندرہ روپے۔

عبادات و عبدیّت

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی تقاریر کا مجموعہ، بندگی اور اسکے آداب، عبادات کی حکمتیں اور اعمال صالحہ کی برکات، اللہ کی عظمت و محبوبیّت اور دیگر موضوعات پر عمدہ کتاب۔ صفحات ۸۸ ، قیمت -/۳ روپے

مسئلہ خلافت و شہادت

مسئلہ خلافت و شہادت حسین، تعدیل صحابہؓ وغیرہ پر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی مبسوط تقریر مولانا سمیع الحق کی تعلیقات و حواشی کے ساتھ صفحات ۱۰۴ ، قیمت -/۳ روپے۔

اسلام اور عصرِ حاضر

از مولانا سمیع الحق مدیر الحق

عصرِ حاضر کے تمدنی، معاشی، اخلاقی، سائنسی، آئینی، تعلیمی اور معاشرتی مسائل میں اسلام کا مؤقف، عصرِ حاضر کے علمی و دینی فتنوں اور فرق باطلہ کا تعاقب، بیسویں صدی کے کارزارِ حق و باطل میں اسلام کی بالادستی کی ایک ایمان افروز جھلک، مغربی تہذیب کا تجزیہ پیش لفظ از مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ، صفحات ۴۶۰ جلد سنہری ڈائی دار قیمت -/۴۰

قرآنِ حکیم اور تعمیرِ اخلاق

از مولانا سمیع الحق مدیر الحق

تعمیرِ اخلاق، اصلاحِ معاشرہ، تطہیرِ نفس میں قرآنِ حکیم کا معتدلانہ انداز اور حکیمانہ طرزِ عمل، عبادات کا اخلاقی پہلو۔ قیمت -/۳ روپے۔

الحاوی علی مشکلات الطحاوی

شیخ الحدیث مولانا زکریا سہارنپوری، شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمان کاملپوری رح اور مظاہر العلوم کے دیگر ممتاز محدثین کے مشترکہ غور و فکر کا نتیجہ طحاوی شریف کی تقریباً ایک سو مشکلات کا حل۔ قیمت بارہ روپے۔

ہدایۃ القاری شرح صحیح البخاری
عربی

از قلم حضرۃ مولانا محمد فرید صاحب مدرس و مفتی دارالعلوم حقانیہ،

بخاری شریف کی قدیم مبسوط شروح اور امائی اکابر سے زیرِ بحث مسئلہ پر مباحث کا خلاصہ، مختصر اور جامع شرح جلد اوّل صحیح بخاری کی کتاب العلم پر مشتمل ہے۔

برکۃ المغازی
عربی

از مولانا محمد حسن جان صاحب استاذ دارالعلوم حقانیہ — بخاری شریف کی کتاب الجہاد والمغازی اور حدیث وصیۃ زبیرؓ کے متعلق تحقیقی مباحث۔ قیمت چار روپے۔

اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتیں

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کی غیر مطبوعہ مبسوط تقریر۔ انسان کی حقیقی کامیابی کا معیار اللہ کی نظر میں کیا ہے۔ مرتبہ مولانا سمیع الحق قیمت ایک روپیہ۔

ارشاداتِ حکیم الاسلام

از علامہ قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند۔

دارالعلوم حقانیہ میں معجزات انبیاء، دارالعلوم دیوبند کی روحانی عظمت اور مقام پر حضرت قاری صاحب مدظلہ کی حکیمانہ اور عارفانہ تقریریں۔ قیمت ۱/۵۰ روپیہ۔

مؤتمر المصنّفین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور۔ پاکستان

از مولانا ابوالبیان ۔ پشاور یونیورسٹی

مُلّا احمد جیون
اور
تفسیراتِ احمدیہ!

ملّا احمد بن ابی سعید بن عبداللہ بن عبدالرزاق بن مخدوم خاص خدا الحنفی المعروف بملا جیون عہد عالمگیری کے مشہور عالم تھے ۔ آزاد بلگرامی صاحب فرماتے ہیں :-

این مخدوم خاصہ ازمشاہیر بزرگان امیٹھی من توابع لکھنؤ است ونسبش بہ صدیق اکبرؓ منتہی می شود[1]

مخدوم خاصہ قصبہ امیٹھی کے مشہور بزرگوں میں سے تھے ۔ آپ کا نسب سیدنا صدیق اکبرؓ سے وابستہ ہے ۔ حنفی مسلک رکھتے تھے ۔

۱۰۴۷ھ مطابق ۱۶۳۷ء لکھنؤ کے قریب امیٹھی میں پیدا ہوئے انہیں غیر معمولی حافظہ عطا ہوا تھا ۔ جناب مولوی رحمان علی صاحب نے لکھا ہے ۔ قوت حافظہ بعضا یتے داشت کہ قصیدہ بشنیدن یک بار می گرفت وعبارت کتب درسیہ ورسیہ بلامعائنہ کتاب زبانی می خواند[2]

قوت حافظہ خوب تھی ۔ ایک مرتبہ سن کر قصیدہ یاد کر لیتے تھے ۔ اور درسی کتابوں کی عبارت بغیر کتاب دیکھے زبانی پڑھ دیتے تھے ۔ سات برس کی عمر میں قرآن کریم حفظ کیا ۔ اوائل عمر میں پہلے محمد صادق الستری سے اور پھر مولانا لطف اللہ کوڑہ جہان آبادی سے سولہ برس کی عمر میں عقلی اور نقلی علوم کی تکمیل کی ۔

ان کے تمام سوانح نگار متفقہ طور پر بیان کرتے ہیں کہ شاہ اورنگ زیب نے انہیں اپنے اساتذہ میں شامل کر لیا تھا اور وہ ان کی بہت تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے ۔

صاحب خزینۃ الاصفیاء لکھتے ہیں :-

---

[1] مآثر الکرام دفتر اول صہ ۲۱۶ - ۲۱۷ [2] تذکرہ علماء ہند صہ ۴۵

از علمائے عظام و فقہائے والامقام وقت خود بود۔ استاد عالمگیر بادشاہ و شاگرد مولانا لطف اللہ جہان آبادی است[1]

بہت بڑے عالم اور اپنے وقت کے بہت بڑے فقیہہ تھے۔ عالمگیر بادشاہ کے استاد اور مولانا لطف اللہ جہان آبادی کے شاگرد تھے۔

آزاد بلگرامی نے لکھا ہے۔ سلطان بہ خدمت او تلمذ کرد[2]

بادشاہ موصوف نے آپ کی شاگردی اختیار کی۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار کا بیان ہے:۔

"یہ یقیناً ۱۰۶۴ھ/۱۶۵۳ء اور ۱۰۶۸ھ/۱۶۵۷ء کے درمیان کا واقعہ ہوگا کہ شاہ اورنگ زیب تخت نشین ہوا یہ بہت ممکن ہے کہ بادشاہ موصوف نے اپنی تخت نشینی کے بعد اس نوجوان سے بعض کتابیں پڑھی ہوں۔ شاہ عالم اول (بہادر شاہ) جو شاہ اورنگ زیب کا بیٹا اور جانشین تھا اپنے والد صاحب کی طرح آپ کی بہت عزت و تکریم کرتا تھا[3]"

ملا جیون کتنے بلند پایہ عالم تھے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ شاہ اورنگ زیب کے استاد تھے اور وہ ان کے تبحر علمی کے قائل تھے[4]

فارغ التحصیل ہونے کے بعد انہوں نے اپنے آبائی شہر میں پڑھانا شروع کیا۔ ۱۰۸۷ھ/۱۶۷۶ء میں وہ اجمیر اور دہلی کو روانہ ہوئے۔ جہاں انہوں نے کافی عرصہ قیام کیا۔ تعلیم اور وعظ میں مشغول رہے۔ ۱۱۰۲ھ/۱۶۹۰ء میں وہ پہلی مرتبہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اور وہاں پانچ برس قیام کے بعد ہندوستان واپس آئے۔ بعد ازاں انہوں نے شاہی ملازمت اختیار کی۔ اور کوئی چھ برس تک شاہ اورنگ زیب کے ساتھ رہے۔ جو اس زمانے میں دکن کی ریاستوں کے خلاف برسر پیکار تھے۔ ۱۱۱۲ھ/۱۷۰۰ء میں دوبارہ حجاز روانہ ہوئے۔ اور دوبارہ حج اور زیارت کرنے کے بعد ۱۱۱۶ھ/۱۷۰۴ء میں امیٹھی واپس آئے۔ دو برس مختصر قیام کے بعد انہیں شیخ یاسین عبدالرزاق القادری سے خرقہ تصوف عطا ہوا۔ انہوں نے اپنے کثیر التعداد شاگردوں کے ساتھ دہلی کا رخ کیا۔ اجمیر میں شاہ عالم اول (۱۱۱۹ھ/۱۷۱۲ء) نے ان سے ملاقات کی۔ اور انہیں اپنے ہمراہ لاہور لے گئے۔ وہ شاہ عالم کی وفات پر دہلی لوٹے۔ اور اپنے محبوب پیشہ معلمی میں مشغول ہو گئے۔ انہوں نے اپنے آبائی شہر امیٹھی میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا۔

ان کا انتقال ۱۱۳۰ھ/۱۷۱۷ء یا ۱۷۱۸ء میں دہلی کی جامع مسجد میں اپنے زاویے میں ہوا۔

---

[1] خزینۃ الاصفیاج ۲ ص ۴۶۵ [2] مآثر الکرام ص ۲۱۶ [3] اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص ۶۰۸ [4] عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۶۰۵

لیکن ان کی لاش کو بعد میں نکال کر ان کے آبائی شہر میں دفن کر دیے گئے۔

تصانیف | ۱۔ التفسیرات الاحمدیہ فی بیان الآیات الشرعیۃ۔ پانچ برس یعنی ۱۰۶۴ھ ۱۶۸۳ء تا ۱۰۶۹ھ ۱۶۵۸ء کے عرصے میں تالیف ہوئی۔ ۲۔ نور الانوار۔ النسفی کی کتاب منار الانوار جو اصول فقہ پر ہے اور مدینہ منورہ کے چند طلبہ کی درخواست پر صرف دو ماہ کے مختصر عرصے میں لکھی گئی۔ یہ کئی بار طبع ہو چکی ہے۔ ۳۔ السوانح۔ جو جامی کی اللوائح کی نہج پر ہے۔ حجاز میں جب وہ دوبارہ گئے تو اس وقت ۱۱۱۲ھ میں لکھی گئی۔ ۴۔ مناقب الاولیاء۔ اولیا اور مشائخ کے سوانح حیات۔ یہ کتاب انہوں نے پیرانہ سالی میں اپنے وطن میں سپرد قلم کی۔ ۵۔ آداب احمدی تصوف اور صوفیہ حضرات کے مقامات پر مشتمل ہے۔ ان کے اوائل عمر میں تالیف ہوئی[1]

تفسیر احمدی پورے قرآن کریم کی تفسیر نہیں بلکہ ان آیات کی تفسیر ہے جو احکام سے متعلق ہیں۔

کتاب کے دیباچے میں ملا جیون نے لکھا ہے کہ اب تک کسی عالم نے ایسی تمام آیات جمع کرنے اور ان کی تفسیر کی کوشش نہیں کی جن سے احکام اخذ کیے جاتے ہیں۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ لڑکپن میں لوگوں سے سن رکھا تھا کہ امام غزالی نے اس قسم کی پانچ سو آیات جمع کی ہیں۔ مگر جب انہیں حاصل کرنے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ یہ بیان درست نہیں۔

چنانچہ انہوں نے خود اس کام کو کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب انہوں نے اس کا آغاز کیا تو ان کی عمر سولہ برس تھی اور جب فارغ ہوئے تو اکیاسی برس کے تھے۔ اور چھ برس بعد انہوں نے اس پر نظر ثانی کی۔

ماخذ | آپ نے اس کتاب کی تیاری میں مندرجہ ذیل کتابوں سے اخذ کیا ہے۔

کتب تفسیر | تفسیر بیضاوی۔ الاتقان فی علوم القرآن (جلال الدین سیوطی۔ متوفی ۹۱۶ھ۔ تفسیر حسینی۔ ملا حسین واعظ کاشفی۔ متوفی ۹۱۰ھ۔ تفسیر کشاف۔ علامہ جار اللہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ۔ تفسیر ظہیر الشریعہ الصفوی ۶۔ تفسیر الزاہدی۔

کتب فقہ | شرح وقایہ الروایہ بمعہ حواشی۔ ہدایہ بمعہ شروح۔ الفتاوی الحمادیہ فی مسائل الفقیہہ۔

کتب اصول | اصول بزدوی۔ کشف الاسرار (شرح اصول بزدوی) حسامی۔ التوضیح۔ التلویح۔ شرح التوضیح (للتفتازانی)۔ مختصر ابن حاجب۔

کتب کلام | شرح العقائد (سعد الدین تفتازانی)، ۷۹۱ھ۔ شرح المواقف (السید الشریف الجرجانی متوفی ۸۱۶ھ

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۷ ص ۶۰۵

آغاز کتاب میں ملا جیون نے ایسی تمام آیات کی فہرست دی ہے جن سے احکام اخذ کئے گئے ہیں۔ اور دوسری فہرست میں ان احکام کی نوعیت بھی واضح کی ہے جن سورتوں میں احکام نہیں ہیں ان کا تذکرہ خالیۃ عنہا (احکام سے خالی ہے) کہہ کر کیا گیا ہے۔

تفسیر احمدی علماء کی نظر میں: مفتی غلام سرور صاحب نے لکھا ہے۔ "کتاب تفسیر احمدی در تشریح آیات احکام قرآنی از عمدہ تصانیف وی است ـــ تفسیر احمدی آیات احکام قرآنی کی تشریح میں ان کی عمدہ تصانیف میں سے ہے (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۳۶۵)

چونکہ تفسیر رائج الوقت حنفی نقطہ نظر کے مطابق لکھی گئی ہے اس لئے جن حضرات کا رجحان اہلحدیث کی طرف ہے وہ اس کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان ابجد العلوم میں یوں لکھتے ہیں:۔

له تفسیر الاحمدی یختص بآیات الاحکام الفقیهة و نور الانوار فی شرح المنار فی اصول الفقه علی طریقة الحنفیة وفیهما الرطب والیابس۔

آیات احکام فقیہہ پر ان کی تفسیر "تفسیر احمدی" اور اصول فقہ بر طریقہ حنفیہ میں نور الانوار (شرح المنار) ہے۔ ان دونوں کتابوں میں آپ نے رطب و یابس یعنی عمدہ اور سطحی دونوں قسم کی باتیں جمع کی ہیں۔

تفسیر احمدی کے مستنبط مسائل منسلک فہرست میں مندرج کئے جاتے ہیں۔ یہ مسائل بقید سورت و آیات درج ہیں۔ یہ کل ۴۵۷ آیتیں ہیں۔ تعداد مسائل ۴۸۹ ہے۔ جن سورتوں سے مسائل کا استنباط کیا ہے ان کی تعداد ۶۲ ہے۔ ۵۲ سورتوں کے بارے میں لکھا ہے "خالیۃ عنہا"

اس تفصیل سے معلوم ہوگا کہ اگرچہ ملا جیون کی کوشش قابل قدر ہے۔ تاہم قرآن کریم سے مستنبط مسائل کا استیعاب کرنے میں وہ ناکام رہے ہیں اور امام سیوطی کی کتاب "الاکلیل" اور اسی طرح اس موضوع کی دوسری کتابیں اس سے زیادہ جامع ہیں۔

مجمل فہرست

نمبر شمار	نام سورۃ	تعداد آیات	شرعی تعداد مسائل		نمبر شمار	نام سورۃ	تعداد آیات	شرعی تعداد مسائل
۱	سورۃ البقرہ	۶۳	۷۵		۶	سورۃ الاعراف	۱۹	۱۸
۲	" آل عمران	۱۲	۱۳		۷	" الانفال	۲۱	۲۳
۳	" النساء	۵۴	۶۱		۸	" البراءت	۲۵	۳۱
۴	" المائدہ	۲۶	۲۸		۹	" یونس	۱	۴
۵	" الانعام	۱۹	۲۰		۱۰	" ہود	۳	۲

۱۱	سورہ یوسف	۳	۶	۳۷	سورہ الدخان	۳	۳
۱۲	〃 ابراہیم	۱	۱	۳۸	〃 احقاف	۴	۴
۱۳	〃 النحل	۱۱	۱۱	۳۹	〃 محمد	۱	۱
۱۴	〃 بنی اسرائیل	۷	۱۰	۴۰	〃 فتح	۷	۸
۱۵	〃 کہف	۲	۲	۴۱	〃 حجرات	۳	۵
۱۶	〃 مریم	۱	۱	۴۲	〃 ذاریات	۲	۲
۱۷	〃 طٰہ	۳	۳	۴۳	〃 طور	۱	۲
۱۸	〃 انبیاء	۵	۳	۴۴	〃 نجم	۲	۲
۱۹	〃 حج	۱۲	۱۴	۴۵	〃 قمر	۱	۱
۲۰	〃 مومنون	۳	۲	۴۶	〃 رحمٰن	۱	۱
۲۱	〃 نور	۲۸	۲۶	۴۷	〃 واقعہ	۷	۴
۲۲	〃 فرقان	۲	۳	۴۸	〃 مجادلہ	۴	۲
۲۳	〃 شعراء	۵	۴	۴۹	〃 حشر	۵	۵
۲۴	〃 نمل	۱	۱	۵۰	〃 ممتحنہ	۵	۷
۲۵	〃 قصص	۲	۲	۵۱	〃 جمعہ	۳	۳
۲۶	〃 روم	۴	۴	۵۲	〃 منافقون	۲	۲
۲۷	〃 لقمان	۳	۳	۵۳	〃 طلاق	۵	۶
۲۸	〃 سجدہ	۱	۲	۵۴	〃 تحریم	۲	۲
۲۹	〃 احزاب	۱۵	۱۷	۵۵	〃 نوح	۳	۵
۳۰	〃 یٰس	۲	۲	۵۶	〃 جن	۱	۱
۳۱	〃 صٰفٰت	۱	۲	۵۷	〃 مزمل	۳	۳
۳۲	〃 ص	۱	۱	۵۸	〃 مدثر	۱۸	۵
۳۳	〃 زمر	۳	۵	۵۹	〃 قیامۃ	۲	۲
۳۴	〃 مومن	۱	۱	۶۰	〃 انشقاق	۳	۳
۳۵	〃 شوریٰ	۶	۴	۶۱	〃 اعلیٰ	۲	۲
۳۶	〃 زخرف	۲	۲	۶۲	〃 کوثر	۲	۲
						۴۵۷	۴۸۹

پروفیسر محمد اسلم لاہور

علی گڑھ میں چند روز

میں اگرچہ رات بھر سفر کے بعد تکان محسوس کر رہا تھا لیکن علی گڑھ آتے ہی خود کو تازہ دم محسوس کرنے لگا۔
ان دنوں مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی جنوبی افریقہ گئے ہوئے تھے۔ اس لئے گھر میں میری کوئی مصروفیت نہ تھی۔ میں ناشتہ کے بعد قاضی مظہر الدین احمد بلگرامی، سابق صدر شعبہ دینیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ملنے ان کی قیام گاہ۔ اللہ والی کوٹھی، پہنچا۔ وہاں جاکر معلوم ہوا کہ موصوف مظاہر العلوم سہارنپور گئے ہوئے ہیں ان کی ایک صاحب زادی "عہد مغلیہ میں قادریہ سلسلہ کا عروج" کے عنوان سے پی ایچ ڈی کے لئے مقالہ لکھ رہی تھیں۔ مجھے دراصل اسی بچی سے کام تھا۔ انہوں نے میرے ذریعے پاکستان سے سلطان باہو اور بلھے شاہ کے کلام کے اردو تراجم منگوائے تھے، میں نے وہ ان کے حوالے کئے۔

اگلے روز قاضی صاحب بھی علی گڑھ لوٹ آئے۔ موصوف ان دنوں "عیون العرفان فی علوم القرآن" کے عنوان سے ایک کتاب لکھ رہے تھے۔ انہوں نے مجھے اس کا مسودہ دکھایا۔ تو میں نے عرض کیا کہ مولانا محمد حنیف ندوی نے بھی اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے۔ قاضی صاحب کی فرمائش پر میں نے لاہور آتے ہی یہ کتاب انہیں بھیج دی۔

قاضی صاحب کے والد بزرگوار قاضی عزیز احمد بلگرامی برطانوی دور میں ایک بڑے اونچے منصب پر فائز تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد موصوف مسلم یونیورسٹی کے اعزازی خازن بنے۔ اور تا زیست اس ذمہ داری کو نبھاتے رہے۔ انہوں نے دوران ملازمت تقسیم ہند کا منصوبہ پیش کیا تھا لیکن سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے اپنے نام کی بجائے اپنے بھائی عبد القدیر بلگرامی کے نام سے ۱۹۲۰ء میں بدایوں کے مشہور اخبار ذو القرنین میں "ایک کھلا خط گاندھی جی کے نام" کے عنوان سے چھپوایا تھا۔ اس خط میں انہوں نے آبادی کی اکثریت کے لحاظ سے ضلعوں کی تقسیم کی تجویز پیش کی تھی۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ریڈکلف نے ۱۹۴۷ء میں جو ایوارڈ دیا تھا۔ وہ اس منصوبہ کے قریب تر تھا۔

قاضی صاحب سے میری متعدد ملاقاتیں ہوئیں۔ جہانگیر نے اپنی تزک میں شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کے بارے میں لکھا ہے۔ "صحبتش بے ذوق نیست" یہ ریمارک قاضی صاحب پر بھی راس آتا ہے۔
میں اللہ والی کوٹھی سے نکلا تو اتفاقاً پروفیسر اسلوب احمد انصاری مل گئے۔ موصوف مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

کے شعبۂ انگریزی کے سربراہ ہیں۔ ان کا شمار یونیورسٹی کے چوٹی کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔ انگریزی زبان وادب کے استاد ہوکر بھی موصوف ہمیشہ شیروانی اور چوڑی دار پاجامہ پہنتے ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ان کے بزرگوں کی قرابت داری سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ؒ سے تھی اور ان کی اہلیہ محترمہ کا نسبی تعلق حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ سے ہے۔

پروفیسر اسلوب احمد کا شمار اردو ادب کے بہترین نقادوں میں ہوتا ہے۔ وہ علی گڑھ سے "نقد ونظر" کے نام سے ایک ششماہی ادبی اور تنقیدی مجلہ بھی شائع کرتے ہیں۔ اس مجلہ کا سرورق ہمیشہ سبز رنگ کا ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ رنگ میں تنوع پیدا کیجئے۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا "نہیں صاحب! اس کا رنگ سبز ہی رہے گا" اس جواب سے ان کے اسلامی ذہن کی عکاسی ہوتی ہے۔ اسلوب صاحب نے مجھے نقد ونظر کے چند پرچے مرحمت فرمائے اور گرما گرم کافی سے تواضع کی۔

پروفیسر اسلوب احمد صاحب سے میں نے پروفیسر مختار الدین احمد آرزو، صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نئے مکان کا ایڈریس لیا اور رکشا میں سوار ہوکر وہاں پہنچا۔ میں جس وقت وہاں پہنچا، اتفاق دیکھئے کہ پروفیسر نذیر احمد صاحب سابق صدر شعبہ فارسی، آرزو صاحب کے دروازے پر دستک دے رہے تھے میں ان کا دیرینہ نیاز مند ہوں۔ میری اہلیہ کو ان سے تلمذ ہے۔ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگے کہ بڑے اچھے موقع پر آیا ہوں۔ آج دوپہر کو ان کے ہاں ایک کلکتوی دوست کے اعزاز میں لنچ ہے اور موصوف آرزو صاحب کو دعوت دینے آئے ہیں۔ پروفیسر صاحب نے مجھے بھی کھانے پر بلایا۔

آرزو صاحب سے میری پرانی دوستی ہے۔ موصوف مولانا اکبرآبادی صاحب کے بڑے مخلص دوست ہیں۔ آرزو صاحب کو علامہ عبدالعزیز میمن مرحوم سے تلمذ ہے۔ آرزو صاحب کے والد بزرگوار مولانا ظفر الدین بہاری مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے شاگرد اور خلیفہ تھے۔ انہوں نے حنفی فقہ پر "صحیح بہاری" کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔

آرزو صاحب علمی وادبی حلقوں میں جانی پہچانی شخصیت ہیں اور غالب پرست سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے الحماسنہ پر تحقیقی مقالہ لکھ کر آکسفورڈ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی تھی۔ ان کا ذاتی کتاب خانہ قابل دید ہے۔

میں دوپہر کے وقت دوبارہ ان کے ہاں گیا اور ان کے ساتھ ہی پروفیسر نذیر احمد صاحب کے ہاں گیا۔ وہاں اتفاقاً اکبر علی خاں عرشی زادہ سے ملاقات ہوگئی۔ وہ رضا لائبریری رام پور کے لائبریرین ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ میں تین روز میں رام پور جانے والا ہوں۔ ان کی لائبریری میں حضرت خواجہ خاوند محمود المعروف بہ حضرت ایشاں لاہوری ؒ کے ملفوظات - مرآۃ طیبہ - کا ایک قلمی نسخہ محفوظ ہے۔ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ عرشی زادہ نے فرمایا

کہ میں جس روز بھی رام پور پہنچوں گا۔ اسی روز موصوف وہ نسخہ مجھے دکھا دیں گے۔

کھانے پر کئی اصحاب سے ملاقات ہوئی۔ ان میں سے کئی حضرات کے ساتھ میرا پہلے سے تعارف نہ تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر میں گھر واپس آیا اور شام کو دوبارہ احباب سے ملنے نکلا۔

مولانا اکبر آبادی کے مکان سے اندازاً دو فرلانگ کے فاصلہ پر انوار الہدیٰ کمپاؤنڈ میں ایک مسجد ہے جہاں میں علی گڑھ میں قیام کے دوران نماز مغرب و عصر کے لئے جایا کرتا ہوں۔ اس مسجد سے ملحق انصاری لاج میں ڈاکٹر اقبال انصاری صدر شعبہ اسلامیات رہتے ہیں۔ میں جب بھی علی گڑھ جاؤں موصوف ایک صبح ناشتہ پہ ضرور بلاتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کا نسبی تعلق سہالی کے اس انصاری خاندان کے ساتھ ہے جس میں مولانا نظام الدین بانی درس نظامی۔ مولانا محمد رضا۔ مولانا عبدالعلی بحرالعلوم۔ مولانا عبدالحئی فرنگی محلی اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی جیسی نامور ہستیاں پیدا ہوئیں۔

موصوف ندوۃ العلماء میں مولوی عبدالحق صاحب پروپرائٹر مکتبہ علمیہ لاہور کے ہم سبق رہے ہیں۔ لکھنے پڑھنے کا شوق رکھتے ہیں اور مختلف کانفرنسوں میں علمی مقالے بھی پڑھتے ہیں۔

اس مسجد سے جانب شمال تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر مولانا تقی امینی صاحب رہتے ہیں۔ موصوف کی تصانیف میں سے "اسلام کا زرعی نظام" اور "فقہی مسائل میں حالات اور زمانے کی رعایت" خاص طور پر مشہور ہیں۔ ان کا شمار تجدد پسند علماء میں ہوتا ہے۔

میں نے ایک بار "امینی" کے بارے میں ان سے دریافت کیا کہ یہ کس بزرگ کی طرف نسبت رکھتے ہیں؟ موصوف بے اختیار ہنس پڑے اور فرمانے لگے کہ ان کا تعلق موضع سبیحہ ضلع بارہ بنکی سے ہے۔ وہ پہلے پہل اپنے نام کے ساتھ بارہ بنکوی لکھا کرتے تھے۔ ایک بار ان کے کسی دوست نے ناک بھوں چڑھایا تو انہوں نے اسے ترک کر دیا۔ اسی زمانے میں انہوں نے "اسلام کا زرعی نظام" لکھی۔ وہ چونکہ زمین کو کاشتکار کے پاس امانت سمجھتے ہیں اس لئے ان کے احباب انہیں "امینی" کہنے لگے۔

میں امینی صاحب سے ملنے گیا تو انہوں نے اپنی بچی کو چائے تیار کرنے کو کہا۔ میں نے کہا "مولانا جانے دیجئے۔ میں ابھی تھوڑی دیر پہلے گھر سے چائے پی کر نکلا ہوں۔" امینی صاحب مولانا اکبر آبادی کے قریبی دوستوں میں سے ہیں اس تعلق کی بنا پر کہنے لگے "بھئی! یہ دامادوں کا معاملہ بڑا نازک ہوتا ہے اس لئے چائے تو ضرور چلے گی۔"

امینی صاحب سے مل کر میں گھر واپس آیا۔ مغرب کے بعد مولانا اکبر آبادی کے بھانجے مجتبیٰ احمد علوی تشریف لے آئے۔ علوی صاحب شعبہ تاریخ میں استاد ہیں۔ اور انہوں نے میر فتح اللہ شیرازی اور جہانگیر کے ذوق مصوری پر

انگریزی زبان میں دو بلند پایہ کتابیں لکھی ہیں جنہیں ایک سرکاری ادارے نے بڑے اہتمام کے ساتھ چھاپا ہے۔ ان کے ساتھ تاریخ کے موضوع پر دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔

اگلی صبح میں فیکلٹی آف تھیالوجی دیکھنے گیا۔ ایک ہی عمارت میں سنّی دینیات اور شیعہ دینیات کے شعبے ہیں شیعہ دینیات کے شعبہ سے سید علی نقی المعروف بہ نقن صاحب اور مجتبیٰ حسن کامون پوری جیسے نامور عالم وابستہ رہ چکے ہیں۔ سنّی دینیات کے شعبہ میں مولانا ابوبکر شیث، مولانا سلیمان اشرف، نواب صدر یار جنگ بہادر (مولانا حبیب الرحمان شروانی) مولانا سعید احمد اکبرآبادی، قاضی مظہر الدین احمد بلگرامی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے داماد مولانا عبید اللہ انصاری جیسے بزرگوں کا تعلق رہا ہے۔ اسی عمارت کے ایک کمرہ میں مولانا طفیل احمد منگلوری رہا کرتے تھے اور انہوں نے یہیں "مسلمانوں کا روشن مستقبل" لکھی تھی۔

ان دنوں ڈاکٹر فضل الرحمان گنوری اس شعبہ کے صدر ہیں۔ انہوں نے کمرشل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت کے عنوان سے ایک بڑی معرکہ آرا کتاب لکھی ہے جس میں مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری مرحوم کے ساتھ بہت سے مسائل میں اختلاف کیا ہے

اسی شعبہ میں ڈاکٹر قاری رضوان اللہ بھی پڑھاتے ہیں۔ انہوں نے علی گڑھ یونیورسٹی سے مولانا انور شاہ کشمیریؒ پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری لی ہے۔ اس کے علاوہ جامعہ ازہر سے بھی ڈاکٹریٹ کر چکے ہیں۔

ڈاکٹر اقبال حسن خان بھی اسی شعبہ سے وابستہ ہیں۔ انہوں نے حضرت شیخ الہندؒ پر تحقیقی مقالہ لکھا تھا۔ یہ مقالہ علی گڑھ یونیورسٹی سے چھپ چکا ہے۔

ڈاکٹر عبد الحلیم خان بھی اسی شعبہ سے متعلق ہیں۔ انہوں نے جمال الدین اسنویؒ کی طبقات الشافعیہ پر تحقیقی کام کیا تھا۔ ان کے پاس سنن ابی داؤد کا ایک ایسا مطبوعہ نسخہ بھی ہے جس پر حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادیؒ نے شنگرف کے ساتھ اعراب لگائے تھے اور آخر میں اپنا نام۔ فضل رحمٰن ملانوی تحریر فرمایا ہے (ملانواں ایک قصبے کا نام ہے جو ان کی جائے ولادت تھی) میں نے ڈاکٹر صاحب سے اس صفحے کا عکس لے لیا ہے۔

اس شعبہ میں ایک نئے استاد ڈاکٹر معظم علی خان کا اضافہ ہوا ہے۔ انہوں نے شاہ اسمٰعیل شہید پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی سند لی ہے۔ ان تمام اساتذہ کو مولانا سعید احمد اکبرآبادی سے تلمذ ہے۔ اس لئے میرا بڑا خیال رکھتے ہیں۔

شعبۂ دینیات کے اساتذہ سے مل کر میں ظہور وارڈ پہنچا۔ وہیں ڈاکٹر اقبال انصاری کے دفتر میں ڈاکٹر اکمل ایوبی صاحب ملے۔ موصوف یونیورسٹی میں ترکی زبان کے استاد ہیں۔ انہوں نے مغل بادشاہ بابر کی ایک منظوم تصنیف رسالۂ والدیہ کو بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔ یہ دراصل حضرت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار کی نثر میں

تصنیف تھی۔ بابر ایک بار بیمار ہوا تو اس نے منت مانی کہ اگر وہ صحت یاب ہوگیا تو اس رسالہ کا منظوم ترجمہ کرے گا صحت یابی کے بعد اس نے اپنی منت پوری کی۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ رسالہ مجھے عنایت فرمایا۔

ظہور وارڈ ہی میں عربی کا شعبہ ہے۔ اس شعبہ سے نواب ریاض الرحمن خان شروانی بھی وابستہ ہیں۔ موصوف نواب عبید الرحمن شروانی کے صاحبزادے اور نواب صدر یار جنگ بہادر کے پوتے ہیں۔ میں نے ایک زمانے میں ان سے عربی پڑھی تھی۔ ان کی خدمت میں بھی حاضری دی اور اگلے روز حبیب منزل میں ان کے والد بزرگوار کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ نواب عبید الرحمن خان شروانی کی عمر پچاسی چھیاسی برس ہے۔ انہوں نے نواب محسن الملک اور وقار الملک کا دور دیکھا ہوا ہے اور ان کے بارے میں بڑی نادر معلومات رکھتے ہیں۔ موصوف دیوبند کی مجلس شوریٰ کے بھی رکن ہیں۔ ضعف اور بڑھاپے کے باوجود بڑی باقاعدگی کے ساتھ شوریٰ کے جلسوں میں شریک ہوتے ہیں۔

موصوف مجھے دیکھتے ہی فرمانے لگے کہ ابھی کل ہی میرا ذکر ان کی مجلس میں ہوا تھا۔ وہ یوں کہ ڈاکٹر رضاء اللہ انصاری، استاد طبیعیات، ان سے "طبقات شاہجہانی" کی مائیکرو فلم بنوانے کی اجازت لینے آئے تھے۔ یہ فلم مجھے درکار تھی۔ انہوں نے اجازت دے دی۔

نواب صدر یار جنگ بہادر نے اپنا شہرۂ آفاق "کتاب خانہ حبیب گنج" اپنی وفات کے وقت مسلم یونیورسٹی کو دے دیا تھا۔ اگر اس مجموعۂ کتب سے کسی قلمی کتاب کی نقل یا عکس لینا ہو تو قواعد کی رو سے اس کی اجازت ان کے ورثا سے لینی ہوتی ہے۔ الحمد للہ کہ مجھے مطلوبہ مائیکرو فلم مل گئی اور لاہور آکر میں نے اس کے پرنٹس بنوالیے اس گراں قدر تصنیف میں شاہجہانی عہد کے علماء، مشائخ اور اہل کمال کے سوانح درج ہیں۔

نواب صاحب بڑی دیر تک ان مشاہیر کا ذکر فرماتے رہے جنہیں انہوں نے اپنے بچپن میں دیکھا تھا۔ کاش موصوف اپنی یادداشت مرتب کرلیں تو ان بزرگوں کی سیرت و کردار کے بہت سے نئے گوشے ہمارے سامنے آجائیں۔

واپسی پر دھوپ بڑی تیز تھی۔ اس لئے میں دوپہر کا کھانا کھا کر سو رہا۔ شام کو کچھ احباب گھر پر ملنے آگئے اس لئے کہیں باہر جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔

اگلے روز صبح میں ناشتہ سے فارغ ہوکر شعبۂ تاریخ پہنچا۔ صدر شعبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی دفتر میں موجود نہ تھے۔ میرے استفسار پر ان کے سٹینو گرافر نے بتایا کہ موصوف گیسٹ ہاؤس گئے ہوئے ہیں۔ میں فوراً گیسٹ ہاؤس پہنچا۔ وہاں پروفیسر کشوری سرن لال مقیم تھے۔ انہوں نے خلجی خاندان کی تاریخ بڑے عالمانہ رنگ میں لکھی ہے۔ وہ ان دنوں جودھپور یونیورسٹی میں صدر شعبۂ تاریخ تھے۔ نظامی صاحب ان ہی کے پاس بیٹھے ہوئے

تھے۔ مجھے نظامی صاحب سے شرف تلمذ بھی ہے۔ انہوں نے بڑے پیار سے میرا تعارف اپنے معزز مہمان سے کرایا۔ اسی صحبت میں یہ معلوم ہوا کہ کشوری سرن لال جھنگ کے باشندے تھے اور تقسیم ملک کے بعد بھارت چلے گئے۔

نظامی صاحب سے اسی شام ان کے گھر پر دوبارہ ملاقات ہوئی۔ ان کی تصانیف میں شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، تاریخ مشائخ چشت۔ لائف اینڈ ٹائمز آف بابا فریدالدین مسعود اور حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی خاص طور پر مشہور ہیں۔ نظامی صاحب کچھ مدت تک مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر بھی رہ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ شام میں بھارت کے سفیر کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔ اردو، انگریزی اور فارسی پر انہیں یکساں قدرت حاصل ہے۔

نظامی صاحب کا کتاب خانہ قابل دید ہے۔ تصوف کے موضوع پر شاید ہی اتنی کتابیں کسی ذاتی لائبریری میں ہوں گی۔ ان کے بچے اور بچیاں بھی ان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ ایک بیٹا آکسفورڈ یونیورسٹی میں تعلیم پا رہا ہے۔ ایک صاحب زادی شعبۂ تاریخ میں پڑھا رہی ہیں اور انہوں نے ابوالفضل کے بارے میں انگریزی میں ایک کتابچہ تحریر کیا ہے اور مآثر جہانگیری کو بڑی محنت کے ساتھ مرتب کر کے چھاپا ہے۔ نظامی صاحب کے داماد بھی اسی شعبہ سے منسلک ہیں اور وہ دکن کی تاریخ پر سند مانے جاتے ہیں۔

شعبۂ تاریخ کے اساتذہ میں پروفیسر اقتدار حسین صدیقی نے تحقیق کے میدان میں بڑا نام پایا ہے۔ انہوں نے شہاب الدین العمری کی مسالک الابصار کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ اور افغانوں کی تاریخ پر ایک بڑی اچھی کتاب لکھی ہے جو علی گڑھ کے علاوہ لاہور سے بھی طبع ہو چکی ہے۔ ان کے مضامین بھارت کے علمی جرائد میں چھپتے رہتے ہیں۔

صدیقی صاحب ذہنی اعتبار سے میرے بڑے قریب ہیں۔ ہم مضامین اور تصانیف کا تبادلہ کرتے رہتے ہیں میں جب بھی علی گڑھ جاتا ہوں تو موصوف بڑے اہتمام کے ساتھ کسی بڑے ہوٹل میں لے جا کر کھانا کھلاتے ہیں۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا شعبۂ تاریخ ایک مثالی شعبہ ہے۔ اس شعبہ میں ۴۹ اساتذہ درس و تدریس اور تحقیق و تدقیق میں مصروف ہیں۔ شعبہ کی اپنی لائبریری میں سات صد سے زائد ایسے مخطوطات کی مائیکرو فلم موجود ہیں جن کا مسلم ہندوستان سے کسی بھی طالب علم یا استاد کو مواد کی تلاش میں باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

نظامی صاحب فرمانے لگے کہ یہ کام آپ کے ہاں ہونا چاہیئے تھا۔ پاکستان میں مسلم ہندوستان کے بارے میں تمام مواد موجود ہوتا اور ایک ٹیم اس پر کام کرتی۔ لیکن آپ لوگوں نے یہ کام بھی بھارتیوں کے لیے چھوڑ دیا ہے۔

شعبۂ تاریخ میں پروفیسر عرفان حبیب بھی مانے ہوئے محقق ہیں۔ مجھے ان سے بھی تلمذ ہے۔ موصوف پر ان دنوں اشتراکیت کا غلبہ ہے۔ اس لیے اسلامی موضوعات پر لکھنے والوں کے خلاف رہتے ہیں۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی

اور راقم الحروف کے خلاف تین پمفلٹ شائع کر چکے ہیں۔ میں حسب معمول ان سے ملا اور چین کا ساختہ ایک قلم ان کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے تحفہ قبول کرنے سے انکار کیا جب میں نے کہا کہ قلم چین کا بنا ہوا ہے تو انہوں نے شکریہ کے ساتھ قبول کر لیا (موصوف چینی برانڈ کے اشتراکی ہیں)

عرفان حبیب صاحب عہد مغلیہ میں انتظام حکومت کے موضوع پر سند مانے جاتے ہیں انہوں نے اس موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔

اس شعبہ کے اساتذہ میں ڈاکٹر ضمیر الدین صدیقی۔ ڈاکٹر محمد عمر۔ ڈاکٹر اقبال حسین اور ڈاکٹر محمود علی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر محمد عمر صاحب کا بیشتر وقت جامعہ ملیہ دہلی میں درس و تدریس میں گذرا ہے۔ اب کچھ عرصہ سے علی گڑھ آ گئے ہیں۔ ہندوستان میں اسلامی تہذیب پر ہندو اثرات' ان کا خاص موضوع ہے۔ اس موضوع پر ان کے بہت سے مقالے ماہنامہ برہان دہلی میں چھپ چکے ہیں۔ موصوف نے ان مقالات کو کتابی صورت میں شائع کر دیا ہے اس کتاب کو شیخ محمد اشرف مرحوم (تاجر کتب) نے دیکھ کر مجھ سے کہا تھا کہ وہ اس کتاب کو پاکستان میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں کیونکہ اسے پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم' روپے میں پندرہ آنے' ہندوانہ عقائد اور بود و باش رکھتے ہیں۔

شعبۂ تاریخ کی توسیع و ترقی میں پروفیسر محمد حبیب مرحوم اور پروفیسر شیخ عبدالرشید صاحب حال مقیم کراچی کا بڑا ہاتھ ہے۔ اس وقت شعبہ کے اکثر و بیشتر اساتذہ ان دونوں بزرگوں کے شاگرد ہیں۔

پروفیسر محمد حبیب مرحوم کی خدمت میں مجھے نیاز حاصل تھا۔ ان کے انگریزی مقالات پروفیسر خلیق احمد نظامی نے بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کئے ہیں۔ انہوں نے زیادہ کام انگریزی زبان میں کیا تھا۔ اردو میں ان کی صرف حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے بارے میں ایک تصنیف ہے۔ جسے شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی نے "نظام فنڈ" کی مدد سے شائع کیا ہے۔

پروفیسر شیخ عبدالرشید صاحب برعظیم پاک و ہند کے مسلم دور کی تاریخ پر سند مانے جاتے ہیں۔ انہوں نے ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی، سلطان فیروز شاہ تغلق کی خود نوشت" فتوحات فیروز شاہی" اور بابا مکند نامہ جیسی کتابیں مرتب کر کے چھاپی ہیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے حضرت علی ہجویریؒ کے بارے میں ایک کتاب لکھی تھی جو اردو، فارسی، انگریزی اور ترکی زبانوں میں طبع ہو چکی ہے۔ انگریزی زبان میں نواب نجیب الدولہ کے بارے میں انہوں نے ایک کتاب لکھی تھی جو اب نایاب ہے۔

اسی شام کو میری درخواست پر آرنو صاحب نے مولانا لطف اللہ علی گڑھی کے پوتے اسد اللہ صاحب کو میرے ہاں بھیج دیا۔ میں ان کی معیت میں شہر کے سب سے بڑے قبرستان۔ شاہ جمال میں ان کے جد امجد کی قبر پر حاضر

(باقی ص ۶۱ پر)

کھانسی کا حملہ
نزلہ زکام
کا دور
مناسب احتیاط اور شعالین کے بروقت استعمال سے
ان تکالیف کا تدارک کیا جا سکتا ہے۔ جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ
شعالین نزلہ، زکام اور کھانسی کا مفید علاج بھی ہے
اور اُن سے بچاؤ کی تدبیر بھی۔
شعالین
نزلہ زکام اور کھانسی کی مفید دوا
شعالین
نزلہ اور زکام کی خصوصی دوا
پھیپھڑوں کی حفاظت کرتی ہے
ہمدرد
Sualin
A HERBAL CURE FOR
COUGH COLD AND BRONCHITIS
نوزو
ناک کے ورم،
سوزش اور بندش
کے لیے مفید۔
ایک پھوار ناک
کھول دیتی ہے
ہمدرد دواخانہ (وقف) پاکستان
ہمدرد
HSU-1/

حافظ محمد ابراہیم فانی
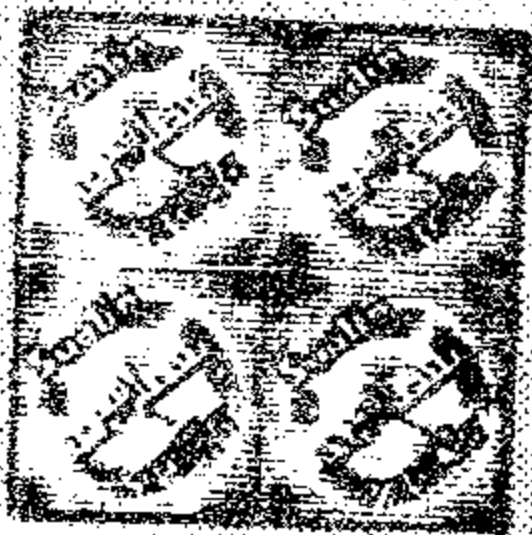
قطرات الدم و عبرات الحزن

القصيدة فی رثاء منتظم العصر الشیخ العلامہ عبد الحلیم صدر المدرسین
بدار العلوم الحقانیہ اکوڑہ خٹک سابقا نور اللہ مرقدہ

نعی النّاعون شیخا ذا وقار	علیما فاضلا درّا البحار
مفسّر وقتہ برھان ربّہ	محبّ نبیّہ بالافتخار
محدّث عصرہ فی الفقہ اجلی	نظیر التّرمذی ثان البخاری
یتیمۃ دھرہ بالفضل احدی	فواجر نا لنا من بدر ساری
حنیفۃ قرنہ حقّا وحقّا	نجیما ثمّ ھمّاما وقّاری
امین رموز محمود وقاسم	حفیظ کنوز انوار المنار
فریدا فی التّکلّم والتّفلسف	وحیدا فی الاصول بلا انکار
لبیبا جوم ورع نسیج لطف	رفیقا بالکبار و بالصّغار
شجیعا بارعا حرّا خطیبا	وفی اقوالہ فوح العرار
کریم النّفس لیس لہ مثیل	وسیع الحلم معدوم النّظار
کثیر الخیر حقّا طور جود	وعین فیوضہ فی البرّجار
صبورا فی الحوادث والبلایا	شکورا فی العطایا والیسار

فَقَدْ نَا مَعْدَنَ الْخَیْرَاتِ فَضْلًا — فَوَا أَسَفًا عَلَى هٰذَا الْخَسَارِ
صَدِیقُ الصِّدْقِ فِی کُلِّ الْأُمُورِ — لِعَبْدِ الْحَقِّ حِبْرٍ ذِی نَضَارِ
أَعِدْ أَذْکَارَهُ یَا سَاهِرَ اللَّیْلِ — وَکَرِّرْ وَصْفَهُ یَا خَیْرَ جَارِ
أَلَا قَدْ رَاحَ مِنَّا جِسْمُ زُهْدٍ — أَلَا قَدْ ضَاعَ تَذْکَارُ الْکِبَارِ
أَلَا قَدْ غَاضَ مِنَّا بَحْرُ عِلْمٍ — شَفِیقٌ مُشْفِقٌ طَوْدُ الْوَقَارِ
أَلَا قَدْ مَاتَ شَهْمٌ ثُمَّ حِبْرٌ — نَبِیلٌ مَاجِدٌ صَدْرُ الْخِیَارِ
أَلَا قَدْ فَاتَ فَیْلُسُوفُ وَقْتٍ — أَدِیبٌ کَامِلٌ یُدْرِیهِ دَارِ
أَلَا قَدْ غَابَ مِنَّا بَدْرُ فَضْلٍ — وَشَمْسٌ کُوِّرَتْ نِصْفَ النَّهَارِ
أَلَا قَدْ ذَابَ أَفْئِدَةُ الْفُحُولِ — فَهَلْ لِلْجُرْحِ هٰذَا مِنْ جُبَارِ
أَلَا قَدْ طَالَ لَیْلِی بِالْفِرَاقِ — فَکَیْفَ سَکِینَتِی بِالْاِضْطِبَارِ
أَلَا قَدْ سَالَ عَیْنِی بِالدُّمُوعِ — وَفِی قَلْبِی أَنِینٌ بِالْجِهَارِ
فَفِی الْأَطْرَافِ قَلَقٌ ثُمَّ حُزْنٌ — وَکَیْفَ الْخَوْفُ بِالْأَکْنَافِ طَارِی
تَرَحَّمْ أَیُّهَا الْمَوْلٰی بِرُوحِهِ — بِجَاهِ نَبِیِّنَا خَیْرِ الْخِیَارِ
وَعَامِلْهُ وَجَامِلْهُ بِلُطْفٍ — وَأَکْرِمْ نُزْلَهُ فِی خَیْرِ دَارِ
إِلٰهِی أَعْطِهِ جَنَّاتِ عَدْنٍ — وَقَدِّسْ سِرَّهُ یَا رَبِّ بَارِ

إِلٰهِی وَفِّقِ الصَّبْرَ لِفَانٍ
یَتِیمٍ مُسْتَغِیثٍ ذِی عِثَارِ

ع۔ ق۔ حقانی

دارالعلوم کے شب و روز

جامعۃ الازہر اور قاہرہ یونیورسٹی کے وائس چانسلروں کی آمد

۲۱ رفروری ۱۹۸۳ء، جامعۃ الازہر کے وائس چانسلر الشیخ محمد طیب النجار اور قاہرہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر الشیخ حسین حمدی ابراہیم اور اسلام یونیورسٹی کے وائس چانسلر شیخ حسن حامد دارالعلوم حقانیہ اپنے تعارفی ومطالعاتی پروگرام پر تشریف لائے اساتذہ اور طلبہ نے دورویہ قطاریں بنا کر معزز مہمانوں کا پرجوش خیرمقدم کیا۔ اتفاق سے ان دنوں دارالعلوم کے ششماہی امتحانات شروع ہو چکے تھے۔ اور بعض طلبہ کا اس روز پرچہ تھا وہ امتحان گاہوں میں اساتذہ کی زیرنگرانی مصروف کار تھے مہمانوں نے آتے ہی سب سے پہلے امتحان گاہوں کا معائنہ کیا۔ پرچہ سوالات اور ان کے جوابات دیکھ کر حد درجہ مسرت کا اظہار کیا۔ اس کے بعد دارالعلوم کے مختلف شعبوں، کتب خانہ الحق، موتمر المصنفین اور دار التصنیف تشریف لائے اور ہر جگہ ایک خاص حظ محسوس کیا۔ پھر بعض دار الاقاموں (طلبہ کے ہاسٹلوں) کا معائنہ کرتے ہوئے جب تعلیم القرآن مڈل سکول پہنچے تو طلبا نے پھولوں کے گلدستوں، پرجوش نعروں اور عربی مکالموں سے معزز مہمانوں کا زبردست استقبال کیا۔ اس کے بعد مہمان دارالحفظ والتجوید تشریف لے گئے۔ وہاں طلبہ کی تعلیمی استعداد، تربیتی صلاحیت حفظ و قرأت، عربی مکالمے اور استقبالیہ میں طلبہ کی دردانگیز عربی تقاریر سن کر حیرت میں ڈوب کے رہ گئے اور جب ایک طالب علم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر حضرت فاطمہؓ کے کلمات، رنج وغم اور تعزیتی حدیث یاد سے پڑھ کر سنائی تو سب کی آنکھیں پرنم اور اشکبار تھیں۔

دورہ حدیث شریف کے طلبہ کے ہاسٹلوں کا معائنہ کرتے ہوئے دارالحدیث پہنچے جہاں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ پہلے سے ان کے منتظر تھے۔ حضرت شیخ سے پرتپاک معانقہ اور مصافحہ کیا۔ اس دوران اساتذہ اور طلبہ دارالحدیث پہنچ چکے تھے۔ حضرت شیخ الحدیث کی جانب سے مولانا انوارالحق صاحب نے مہمانوں کی خدمت میں خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔ اور مولانا غلام الرحمان صاحب مدرس دارالعلوم نے تعارفی کلمات کہے۔ اس کے بعد جامعۃ الازہر کے وائس چانسلر الشیخ محمد طیب النجار نے مفصل خطاب کیا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں دارالعلوم حقانیہ، اس کے تعلیمی اور روحانی ماحول، تعلیم و تربیت اور جہاد افغانستان میں زبردست کردار کے پیش نظر اسے "الازہر القدیم" قرار دیا انکی تقریر اگلے شمارہ میں انشاء اللہ شائع ہوگی۔

اس تقریب کے بعد دفتر اہتمام میں معزز مہمانوں کو ضیافت دی گئی جہاں انہوں نے حضرت شیخ الحدیث سے تبادلہ خیالات بھی کیا۔ رخصت ہوتے وقت انہوں نے حضرت شیخ کا شکریہ ادا کیا اور دیر تک آپ کی پیشانی کو بوسے دیتے رہے۔

ایرانی زعما اور سفیر کی آمد ۱۸ فروری کو ایرانی علماء اور سکالروں کا ایک وفد دارالعلوم حقانیہ تشریف لایا جس میں ایرانی پارلیمنٹ کے ممبر جناب استاد ڈاکٹر حسن روحانی، جناب استاذ سید رضا نقوی صاحب، مولانا شہداد صاحب قاضی اہلسنت بلوچستان، ایران کے علاوہ پاکستان کے لئے ایرانی سفیر جناب ابوشریف صاحب بھی شریک تھے انہوں نے اپنے خطاب میں جہاد افغانستان سے متعلق دارالعلوم حقانیہ اور اس کے فضلاء کے کردار کو سراہا۔ دارالعلوم کے مختلف احاطوں، طلبہ کے ہاسٹلوں، دارالحفظ، دارالتجوید اور کتب خانہ کا معائنہ کیا۔ دارالحدیث میں ہونے والے درس حدیث میں بھی کچھ دیر ان مہمانوں نے شرکت کی۔ بعد میں دفتر اہتمام میں انہیں ضیافت دی گئی۔ جہاں انہوں نے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے مختلف امور پر تبادلہ خیالات کیا۔

اس وفد میں ایرانی بلوچستان کے اہل سنت کے قاضی جناب مولانا شہداد صاحب دیوبند میں حضرت شیخ الحدیث سے تلمذ حاصل کر چکے تھے مدتوں بعد اپنے شیخ سے مل کر انہوں نے بے حد خوشیوں کا اظہار کیا۔ کتاب کتاب الازار میں مہمانوں نے اپنے وقیع تاثرات قلم بند کئے۔

مآثر طور و۔ بقیہ از صفحہ ۲۵ کے علم میں یہ بات آجائے۔ کہ حضرت السید الشیخ محمد انور شاہ کشمیری (جو سید مسعود کی نسل سے ہیں اور ہم ایک مقالہ میں اس موضوع پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔) کے سلسلہ اساتذہ میں سے السید الشیخ عبدالجمیل گیلانی کون تھے۔ اور یہ کہ ان کے سلسلہ اساتذہ میں وہ جلیل القدر بزرگ ہوگذرے ہیں جن کے فیوضات سے یہ سرزمین اب بھی بقعہ نور بنی ہوئی ہے۔ قدس اللہ اسرارھم و ادام اللہ فیضانھم۔

آیندہ قسط میں ہم سید محمد یونس گیلانی کے شجرہ نسب پر تحقیقی نظر ڈالیں گے۔ اور علو روکے تاریخی پس منظر سے بحث کریں گے۔ (جاری ہے)
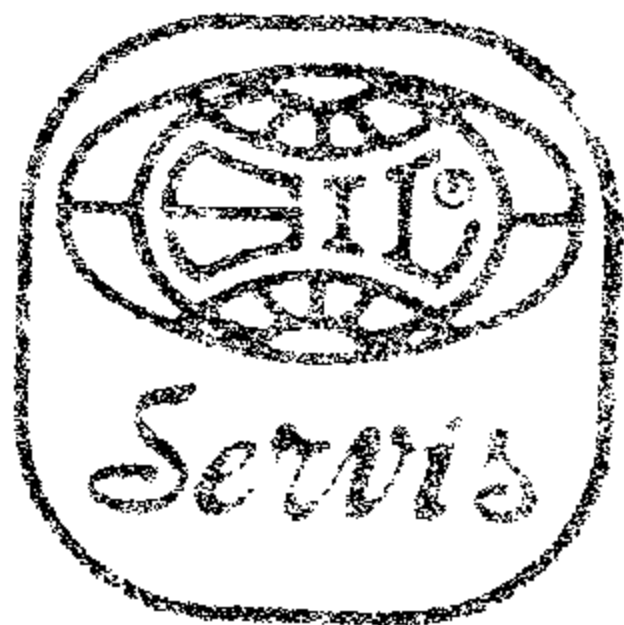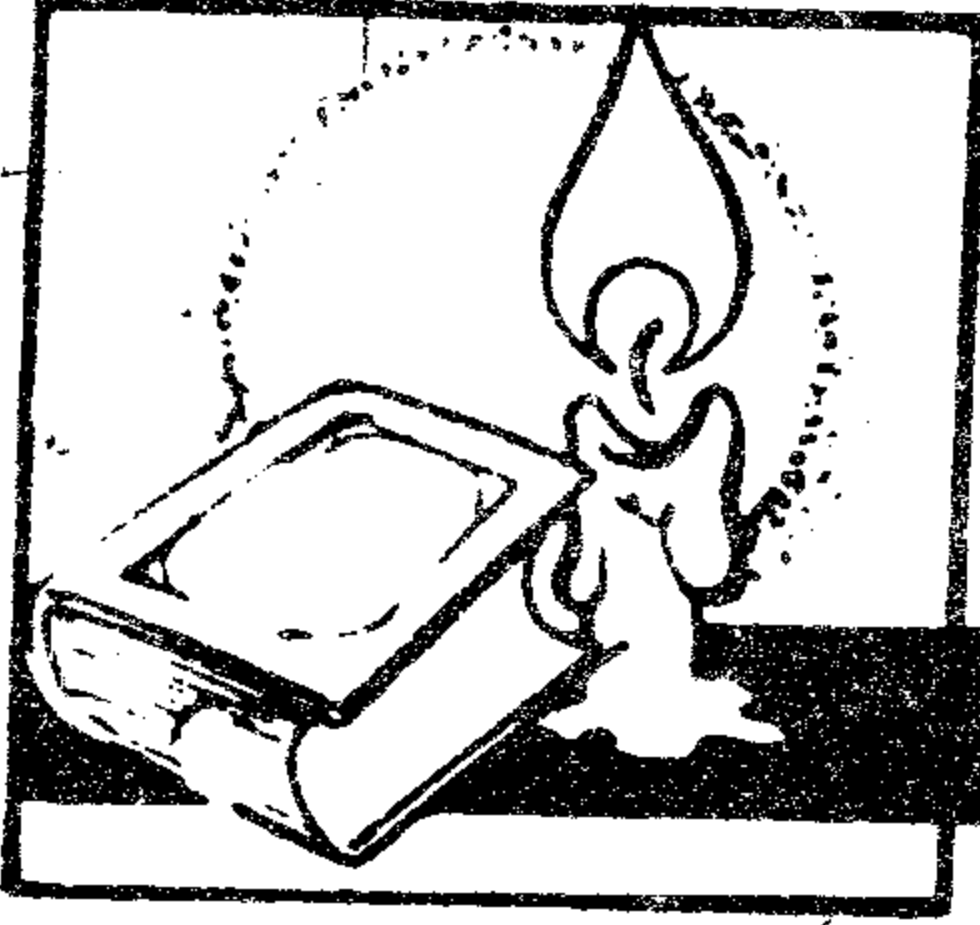
تعارف و تبصرہ کتب

خطبات قاسمی
صفحات ۴۹۸ ۔ قیمت ۱۵۰ روپے ۔ ناظم مکتبہ اے بلاک غلام محمد آباد فیصل آباد

خطابت تبلیغ اسلام کا اولین ذریعہ اور ترویج شریعت کا بنیادی وسیلہ ہے۔ دین اسلام کے سب سے بڑے مبلغ اور دنیائے انسانیت کے عظیم خطیب کے خطبات کا ذخیرہ احادیث کی صورت میں امت کے پاس موجود اور محفوظ ہے جس میں آج بھی وہی تاثیر ہے جو کل تھی ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد علماء کرام جو علوم نبوت کے وارث ہیں۔ دین کی تبلیغ واشاعت کی ذمہ داری ان کے سر ہے جس کو انہوں نے ہر دور میں نبھایا ' تقریراً بھی اور تحریراً بھی ۔ پیش نظر کتاب بھی سلسلہ خطابت کی ایک کڑی ہے جس میں مؤلف نے اپنے مخصوص طرز خطابت کو، خطبات قاسمی کے نام سے کتابی رنگ میں ڈھال دیا ہے بعض جگہوں پر سبقت لسانی (اور اب سبقت قلمی) بھی ہوئی ہے مثلاً صفحہ ۲۳۶ پر تحریر فرماتے ہیں

" ادھر چاند دوڑتا ہوا میرے مصطفےٰ کے پاس آیا "

حالاں کہ شق قمر کا معجزہ تو اس قدر تھا کہ چاند دو ٹکڑے ہو کر پہاڑ کے دونوں طرف دکھائی دیا تھا اور بس ۔
اس کتاب سے زیادہ نفع لینے والے دینی مدارس کے طلباء ہی ہو سکتے ہیں اس لئے اگر قیمت کم رکھی جاتی تو نفع زیادہ ہوتا ۔

حسنات الحرمین
صفحات ۲۸۸ ۔ قیمت ۶۳۰ روپے ۔ تالیف ۔ مولانا محمد عبد اللہ سعید بن خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ
مکتبہ سراجیہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی شریف ۔ ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان

یہ رسالہ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ کے ان احوال ' فرمودات اور مکاشفات کا مجموعہ ہے جو آغاز سفر حرمین الشریفین، قیام حجاز مقدس اور ہندوستان کی طرف واپسی کے دوران بیان فرمائے ۔ جن کو آپ کے صاحبزادے مولانا محمد عبد اللہ سعید نے عین موقعہ پر عربی میں قلم بند کیا ۔ پھر ہندوستان کے شیخ محمد شاکر بن ملا بدر الدین سرہندی نے اس کا مشروح فارسی ترجمہ کیا ۔ اور اب مکتبہ سراجیہ کے مالک " محمد سعد مرشد بابا " کی تحریک سے محمد اقبال صاحب مجددی نے اس کو اردو کے قالب میں ڈھالا ہے ۔ ترجمہ سلیس اور شگفتہ ہے ۔ چونکہ ملفوظات کا موضوع زیادہ تر تصوف ہے ۔ اس لئے بعض ایسی باتیں بھی آ گئی ہیں جن کا سمجھنا مبتدی کے لئے سہل نہیں اور جن کی صحیح تعبیر وہی کر سکتے ہیں جو اس رسم و راہ کے شناور ہیں ایسے موقع پر ان سے مراجعت ضروری ہے ۔ مکتبہ سراجیہ اس

سے قبل بھی معیاری کتابیں شائع کرچکا ہے۔ حسنات الحرمین جو ابھی تک غیر مطبوعہ حالت میں گوشۂ اخفاء میں مہجور و مستور تھی۔ جناب مرشد بابا کے پاکیزہ ذوق کا نتیجہ ہے کہ وہ منظر عام پر آگئی ہے جس کے شروع میں ۹۵ صفحات کا مقدمہ ہے جس میں خواجہ محمد معصوم صاحب کا سوانحی خاکہ سلطنت مغلیہ کے زوال کے اسباب اور اورنگ زیب عالمگیر کے غیر مطبوعہ مکتوبات کے عکس بیانات کے علاوہ تصوف کے اہم مبادی اور لطائف سے بحث کی گئی ہے۔

ہدایت کے مینار | ترتیب و تحریر: مولانا محمد اکرم عتیق۔ ناشر: کراچی پورٹ ٹرسٹ

یہ کتاب کراچی پورٹ ٹرسٹ کے چیئرمین جناب ایڈمرل محمد اسحاق ارشد کی تحریک پر مولانا محمد اکرم عتیق صاحب نے ترتیب دی ہے جناب ارشد صاحب نے پورٹ ٹرسٹ کے چیئرمین کی حیثیت سے جب سے عہدہ سنبھالا تو انہوں نے اپنے تعمیری اور ترقیاتی منصوبوں میں تعمیر مساجد کو سب سے اولیت دی۔ الحمدللہ کہ چھوٹے چھوٹے اور بوسیدہ مساجد کی جگہ ایک تدریجی پروگرام کے تحت کئی عظیم الشان مساجد تعمیر کی گئیں مزید کام بھی جاری ہے۔ باری تعالیٰ احسن طریقہ سے تکمیل کی توفیق دے۔ ارشد صاحب کی شخصیت دینی و علمی ذوق و جذبات کے لحاظ سے ایسے اعلیٰ افسران کے لئے قابل تقلید نمونہ ہے۔

زیر تبصرہ کتاب بھی ان ہی کے نیک جذبات اور پاکیزہ ذوق کا نتیجہ ہے جس میں فاضل مؤلف نے مساجد کی اہمیت فضائل اور آداب پر مفصل گفتگو کی ہے اور منتشر مسائل کو یکجا کر دیا ہے۔ کعبۃ اللہ، بیت المقدس، مسجد قبا اور مسجد نبوی کی رنگین تصاویر کے علاوہ کراچی پورٹ ٹرسٹ کے تحت تعمیر ہونے والی عالیشان مساجد کے حسین عکسوں نے کتاب کے حسن اور دیدہ زیبی کو دوبالا کر دیا ہے۔ کعبۃ اللہ کے عکس میں جو انسانی تصویریں نظر آتی ہیں امید ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں انہیں نکال دیا جائے گا۔

بقیہ ص۵۳ علی گڑھ میں چند روز

مولانا لطف اللہ علی گڑھی گذشتہ صدی عیسوی کے اواخر اور موجودہ صدی کے اوائل میں بہت بڑے عالم ہو گذرے ہیں۔ ان کے درجنوں تلامذہ نے دنیائے علم و ادب میں اپنی علمیت کا لوہا منوایا ہے۔ ان کے ارشد تلامذہ میں مولانا حبیب الرحمن خان شروانی بھی ہیں۔ خان صاحب نے ہی اپنے استاد کی قبر پر یہ کتبہ نصب کروایا تھا۔

تاریخ وفات

چوں مولانا لطف اللہ	بودہ استاذ العلماء
حسرتا سال وفات شاں	استاذ العلماء گفتا
	۱۳۳۴

یکے از تلامذہ محمد حبیب الرحمن خان حسرت

(باقی)

الشیخ المحترم مولانا عبدالحلیم مرحوم کی ہمہ گیر تعزیت

مولانا مرحوم کی وفات پر بے شمار افراد کے خصوصی اور درد دل سے لبریز تعزیتی پیغامات آئے اور یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔ افسوس ہے کہ بے شمار مصروفیات کی وجہ سے انہیں شکریے کے جوابات نہیں دیئے جاسکے۔ دارالعلوم اور ادارہ الحق اور مولانا مرحوم کے پسماندگان ان سب حضرات کے تہ دل سے ممنون ہیں۔ آئے ہوئے ہزاروں خطوط میں سے چند ایک کے اقتباسات۔ (ادارہ)

● حضرت الشیخ کی وفات حسرت آیات سے افسوس ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اللہم اغفرہ وارحمہ ولا تعذبہ اللہم اکرم نزلہ ۔مرضی مولا از ہمہ اولی۔

الا انما کانت وفات محمد ✽ دلیلا علی ان لیس للہ غالب

مجھے اس وقت امام بخاری رحمۃ اللہ کا ایک شعر یاد آیا۔ جو انہوں نے امام دارمیؒ کی وفات کی خبر سن کر فرمایا تھا

ان تبق تفجع بالاحبۃ کلھم ✽ وفناء نفسک لا ابالک افجع

مولانا مرحوم سے تعلقات زمانۂ قدیم سے چلے آرہے تھے۔ کاش نماز جنازہ میں شرکت ہوسکتی ع

بجنازہ گر نہ آئی بہ مزار خواہی آمد

شیخ الحدیث مولانا عبدالروف صاحب لینشاہ

● استاذ مکرم شیخنا المعظم مولانا عبدالحلیم صاحب کی وفات حسرت آیات سن کر قلب وجگر پہ بجلی سی کوند گئی حق جل مجدہ حضرت رحمہ اللہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور اعلیٰ علیین میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ ساری عمر دین مبین کی خدمت میں گزاری۔ قرآن وحدیث کا درس دیا۔ حق تعالیٰ شانہ ان ساری خدمات کو قبولیت سے نواز کر اپنا قرب عطا فرمائے۔ آمین

مولانا حافظ عبدالخالق رحمانی کراچی

● بروز جمعہ یہاں بذریعہ ریڈیو حضرت الاستاذ اور اپنے شیخ محترم کی پرحسرت وفات کی خبر سنی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پس پھر جو دل پر گذری اسے اللہ ہی جانتا ہے کہ قید وبند میں پڑا ہوا انسان جس کی قوت پرواز سلب ہے کیا کر سکتا ہے۔ نہ جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کرسکا اور نہ مزار مبارک پر حاضری میرے لئے اس وقت ممکن ہے

کہ گھر پہ حاضر ہو کر بذات خود سوگوارانِ خانہ کے ساتھ غم میں شریک ہو سکوں۔ سوائے اس کے کہ یہیں سے حضرت مرحوم کے حق میں اللہ تعالیٰ ان کی بلندی درجات اور فلاح اخروی کی درخواست کریں۔ اللہ تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ کو اپنے جوارِ رحمت میں بلند مقامات پر فائز فرمادے۔ آمین (صاحبزادہ) فضل الرحمن (فاضل دارالعلوم حقانیہ)
(فرزند مولانا مفتی محمود مرحوم) ڈیرہ اسمٰعیل خان

- حضرت صدر صاحب اعلی اللہ درجاتہ فی اعلیٰ علیین کی وفات درحقیقت تمام عالم اسلام کے لئے عظیم المیہ ہے

موت العالم موت العالم۔

اذا ما مات ذو علم و فتویٰ　　فقد یقع من الاسلام ثلمہ

اور یہ المیہ تو ہمارے لئے قیامت صغریٰ سے کسی طرح کم نہیں۔ (مولانا) سید شاہجہان شاہ حقانی۔ دوبئی

- حضرت الاستاذ کی وفات کی خبر سن کر قوت سامعہ پر یقین نہ آیا۔ بیشک حضرت الاستاذ آسمان علم کا درخشندہ ستارہ اور آفتاب عالمتاب تھا۔ اللہ تعالیٰ سیدنا الجلیل کو حسن مجاورت اور لطف مرافقت سے نوازے آمین۔

یاقبر صدر کیف واریت　　فان البر والبحر منہ مرتفیا
(مولانا) عبدالغنی حقانی۔ چمن بلوچستان

- حضرت مولانا مرحوم کی رحلت سے جہاں دارالعلوم کے بزم علم و فضیلت میں کمی آئی وہاں عالم اسلام کے لئے بھی ایسا خلا پیدا ہوا جو پُر نہ ہو گا۔ مولانا مرحوم نور اللہ مرقدہ ایک تارک الدنیا مرد قلندر تھے۔ ایسے نیک اور متبحر علماء بہت کم ملتے ہیں۔ ہم آپ کے ساتھ اس صدمہ میں برابر کے شریک ہیں۔ محب اللہ۔ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

- وہ عظیم شیخ جو عمر بھر مردہ دلوں میں روح پھونکتا رہا۔ وہ شمع خاموش ہو گئی جو پون صدی تک علم و فن کی ہر مجلس میں خصوصاً دارالحدیث ہال میں ضیا بار رہی۔ پیام محمدی کا وہ شارح و ترجمان اٹھ گیا جس نے اپنی دینی بصیرت سے اس کے اسرار و حکم بے نقاب کئے۔ ہم وابستگان دامن حقانیہ تعزیت کے خود ہی مستحق ہیں۔ جامعہ میں آج سارا دن ایصال ثواب کے لئے چھٹی رہی اور قرآن خوانی کا سلسلہ شروع ہے۔ (مولانا) عزیز الرحمن حقانی
مدرس جامعہ علوم اسلامیہ لکی مروت۔ بنوں

- حضرت شیخ کی وفات کی تہلکہ برپا کرنے والی خبر سن کر سخت صدمہ پہنچا۔ ہم اس کی پاکیزہ اور پر خلوص زندگی تا حیات نہیں بھولیں گے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ محمد ریحان دوحہ قطر

- دارالعلوم حقانیہ کے صدر معلم جید عالم اور آپ کے دست راست اور قدیم ترین معاون، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحبؒ کی وفات کا سنا اس وقت سے خیال تھا کہ تعزیت کروں، تاخیر ہو گئی۔ خداوند کریم مولانا کی اولاد و پسماندگان کو اپنے والد جیسا جذبات خدمات دین سے نوازے۔ (مولانا) محمد معتمد الدین شاکر پشاور　(جاری ہے)